اِسلام اور اصُولِ حکُومت

Marfat.com

طبع	اوّل
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ملک عبدالرؤف
	الجدید۔ لاہور
پبلشر	
مطبع	استقلال پریس لاہور
قیمت	چار روپے

انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز

میکگل یونیورسٹی۔ (مانٹریال) کینیڈا

"الاسلام واصول الحکم"

(از شیخ علی عبدالرازق)

کا

اردو ترجمہ

اسلام اور اصولِ حکومت

از

راجہ ف۔م۔ ماجد ایم۔اے (علیگ) ایم۔اے (پنجاب) ڈبلیو۔پی۔ای۔ایس۔(I)

ڈائرکٹریٹ آف ایجوکیشن۔ حیدرآباد ریجن۔ کراچی

(سابق ریسرچ اسسٹنٹ انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز)

ذخیرہ کتب محمد اقبال مجددی

الجدید

المنار مارکیٹ۔ چوک انار کلی۔ لاہور

Marfat.com

135015

Marfat.com

فہرس

صفحہ

۱- ابتدائیہ .... راجد ف. م. ماجد (مترجم) ۷

۲- مقدمہ .... شیخ علی عبدالرازق (مصنف) ۲۱

۳- حصہ اول : خلافت اور اسلام ۲۵

پہلا باب : خلافت اور اس کا مفہوم ۲۹

دوسرا باب : خلافت کی قانونی حیثیت ۴۳

تیسرا باب : خلافت، اجتماعیت کے نقطہ نظر سے ... ۵۵

۴- حصہ دوم : حکومت اور اسلام ۷۹

پہلا باب : عہد نبوی میں نظام حکومت ۸۱

دوسرا باب : رسالت اور حکومت ۹۱

تیسرا باب : نبوت نہ کہ حکومت، دین نہ کہ دولت ... ۱۱۱

۵ حصہ سوم : خلافت اور حکومت تاریخ میں ۱۲۷

پہلا باب : وحدت دینی اور عرب ۱۳۹

دوسرا باب : دولت عربیہ ۱۴۹

تیسرا باب : خلافت اسلامی.......... ۱۵۵

اِبتدائیّہ

"اَلاِسلام وَ اُصُولُ الحُکم" کے مصنّف شیخ علی عبدالرّازق ۱۸۸۸ء میں مصر میں پیدا ہوئے (اور ابھی بقیدِ حیات ہیں)۔ ان کے والد حسن عبدالرّازق اُمّہ پارٹی سے تعلّق رکھتے تھے اور مجلسِ قانون ساز کے رُکن بھی تھے اور مفتی محمّد عبدہٗ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ شیخ علی دس سال کی عمر میں جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجے گئے اور خوش قسمتی سے اُنھیں مفتی محمد عبدہٗ جیسا قابل اُستاد میسّر آیا شیخ علی نے کچھ عرصہ قدیم مصری یونیورسٹی میں بھی (جو اب ختم ہو چکی ہے اور جس کی جگہ امریکن یونیورسٹی لے چکی ہے) تعلیم حاصل کی اور یورپ کے مشہور مستشرقین مثلاً پروفیسر نالینو وغیرہ سے استفادہ کیا۔ جامعہ ازہر سے انھیں پہلی سند ۱۹۱۱ء میں ۲۳ سال کی عمر میں ملی اور وہیں آپ نے علمِ بیان پر لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی دوران میں آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب "امالی عبد الرّازق فی علم البیان وتاریخہٖ" تحریر کی۔ کچھ عرصہ بعد آپ تعلیم حاصل کرنے آکسفورڈ روانہ ہوئے لیکن جلد ہی پہلی جنگِ عظیم کے چھڑ جانے کے باعث واپس آگئے ۱۹۱۵ء میں آپ کو محاکمِ شرعیّہ

(شرعی عدالتوں) کا قاضی مقرر کیا گیا، اس عہدے پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ اسکندریہ میں ادب عربی پر لیکچر بھی دیتے رہے، فلسفہ و تاریخِ قانون سے بھی آپ کو دلچسپی رہی، (جیسا کہ آپ نے اپنے مقدّمے میں لکھا ہے) اور اسی دلچسپی نے آپ کو خلافت کی ماہیت کی تحقیق پر اکسایا۔ اپنی تحقیقات کو آپ نے ۱۹۲۵ء میں "الاسلام واصول الحکم" کے نام سے شائع کیا۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ایک ایسے موضوع پر لکھی گئی تھی جو مسلمانانِ عالم کے نزدیک صدیوں تک ناقابلِ تردید رہا اور جسے امرِ خداوندی سمجھا گیا، اس سے پیشتر کسی مسلمان مصنّف نے خلافت کے وجود پر اعتراض نہ کیا تھا اور نہ کسی نے یہ مسئلہ اُٹھایا تھا کہ خلافت کا منصب سرے سے ختم کر دینا چاہیئے۔ حالانکہ اس کا اعتراف اکثر مصنّفین کو تھا کہ خلافت کا مقصد وہ نہیں رہا جو خلفائے راشدینؓ کے مدِّ نظر تھا، خلافت کی ضرورت اور اس سے محبّت کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ جب ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفٰے کمال اتاترک نے بنو عثمان کی خلافت کا (بلکہ مطلق خلافت کا) خاتمہ کر کے جمہوریہ ترکی کی بنا ڈالی تو ہر طرف سے مسلمانوں نے اس اقدام کی شدید مخالفت کی، دُنیا بھر کے مسلمان مشتعل ہو گئے اور اُنھوں نے سمجھا کہ اب خود اسلام کی عمارت بھی متزلزل ہو جائے گی۔ ہندوستانِ متّحدہ کے مسلمان بھی اتاترک کی مخالفت میں کسی سے پیچھے نہ رہے اور "تحریکِ خلافت" ان کے انھیں جذبات کا اظہار تھا، ہر مسلمان کی یہ خواہش تھی کہ خلافت کا احیاء کیا جائے اور اگر یہ ادارہ مٹ گیا تو مسلمانوں کی جمعیت پریشان ہو جائے گی اور اسلام کا استحکام خطرے میں پڑ جائے گا۔ شریف حسین شاہِ حجاز کچھ دیر کے لئے خلافت کا منصب سنبھالنے پر آمادہ ہو گئے لیکن بلد ہی دست بردار بھی ہو گئے۔ ان کے بعد مصر میں فواد اوّل نے علماء اسلام کی ایک کانفرنس بُلائی جس کا مقصد یہ تھا کہ خلافت کا احیاء کیا جائے۔

Marfat.com

اور عالم اسلام کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے کوئی نہ کوئی خلیفہ منتخب کیا جائے اس کانفرنس کے پس منظر میں فواد اول کی یہ خواہش ضرور کارفرما تھی کہ انھیں اس منصب کے لئے منتخب کر لیا جائے اور یہ کہ وہ مسلمانان عالم کے واحد دینی و سیاسی رہنما بن جائیں۔ بہت سے لوگوں نے فواد اول کی اس خواہش کو بھانپ لیا تھا انھیں میں سے شیخ علی عبدالرازق بھی ہیں اور اسی زمانے میں آپ نے یہ کتاب لکھی جس سے درپردہ ان کا مقصد فواد اول کے دعوائے خلافت کا ابطال تھا۔ اگرچہ اُنھوں نے اپنی کتاب میں براہ راست فواد اول کو مخاطب نہیں کیا۔ تاہم اس کا قرینہ موجود ہے کہ شیخ علی فواد کی اس خواہش کے حامی نہ تھے اور اسی لئے خلافت کے احیا کے مخالف بھی۔ اُن کی "حرکت" حکومت مصر کو ناگوار گزری شیخ پر بدعت تراشی کا الزام لگایا گیا۔ حکومت نے علماء کی ایک جماعت کو مقدمے کی سماعت پر مقرر کیا، ان علماء نے اپنے فیصلے میں کہا کہ شیخ علی عبدالرازق شعائر اسلام کی توہین کے مرتکب ہوئے ہیں اور ایسے خیالات رکھتے ہیں جو ایک مسلم عالم شایان شان نہیں۔ چنانچہ اُنھیں ازہر کے اساتذہ کی فہرست سے ۱۹۲۵ء میں خارج کر دیا گیا اور عہدہ قضا بھی ان سے چھین لیا گیا۔ حکومت کے اس اقدام کے علاوہ مصر کے مختلف علمی حلقوں سے بھی ان کی مخالفت کا ایک طوفان اُٹھا۔ اور شیخ محمد بخیت (ب خ ی ت) نے، جو کسی زمانے میں مصر کے مفتی اعظم تھے شیخ علی کی کتاب کے جواب میں ایک کتاب "حقیقۃُ الإسلامِ و اُصُولُ الحکمِ" کے نام سے ۱۹۲۶ء میں لکھی جس کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ خلافت اسلام کا رکن اول ہے اور اس کے مخالف اسلام کے مخالف ہیں۔ شیخ علی کے مخالفوں میں مفتی محمد عبدہ کے شاگرد شیخ رشید رضا بھی شامل ہیں جو خلافت کے حامی تھے۔ شیخ رشید رضا کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت ایک ایسا اسلامی ادارہ ہے جس سے مسلمان

Marfat.com

متکر نہیں ہو سکتے، ترکی میں خلافت کے خاتمے پر رشید رضا نے خلافت کے احیاء کے لئے پوری جد وجہد کی اور جب مملکتِ نجد وحجاز میں وہابی خاندان برسرِ اقتدار آیا تو رشید رضا کو ایک نئی اُمید پیدا ہو چلی کہ شاید اب خلافت کی تجدید ہو جائے لیکن بد قسمتی سے شاہ ابن سعُود نے اس منصب کی ذمہ داری اُٹھانے کی حامی نہ بھری۔

اسلام اور اصُولِ حکومت" کے تین اجزا ہیں۔

اوّل:۔ "خلافت اور اسلام" جس کے تین باب ہیں: (ا) خلافت اور اس کا مفہوم (ب) خلافت کی قانونی حیثیت (ج) خلافت، اجتماعیّت کے نقطۂ نظر سے۔

دوم:۔ "حکومت اور اسلام" اس کے بھی تین باب ہیں: (ا) عہدِ نبوی میں نظامِ حکومت (ب) رسالت اور حکومت (ج) نبوّت نہ کہ حکومت، دین نہ کہ دولت۔

سوم:۔ "خلافت اور حکومت تاریخ میں"۔ اس کے بھی تین باب ہیں (ا) وحدتِ دینی اور عرب (ب) دولتِ عربیّہ (ج) خلافتِ اسلامی۔

شیخ علی عبد الرازق کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ:

(ا) خلافت ایک اسلامی ادارے کی حیثیت سے ختم کر دینی چاہیے۔ نظری طور پر خلفاء اپنے آپ کو دینی اور دنیاوی امور میں رسول کریم صلعم کا نائب سمجھتے ہیں جس سے انھیں دونوں شعبوں میں مطلق اور مجرد اختیار حاصل ہو جاتا ہے، ان سے صرف یہ تقاضا کیا جا سکتا ہے کہ وہ شریعت کے مطابق حکومت کریں لیکن وہ اس کے پابند نہیں بنائے جا سکتے، خلیفہ کو قرآن یا سُنّت سے کوئی سند حاصل نہیں، کیونکہ دونوں میں محض اصولی احکام ہیں، لے دے کر

Marfat.com

ایک اجماع کا سہارا رہ جاتا ہے لیکن وہ بھی ایک تاریخی حقیقت کے طور پر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خلفاء اور خلافت کے خلاف ہمیشہ کوئی نہ کوئی تحریک موجود رہی ہے۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی مادّی بہبود اور دینی فلاح خلافت پر منحصر ہے صرف اسی حد تک درست ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے بھی دُوسری قوموں کی طرح کسی نہ کسی طرح کی حکومت لابدی ہے لیکن اسلام کی ترقی یا زوال خلافت یا کسی اور طرزِ حکومت سے وابستہ نہیں۔

(۲) خلافت کے دینی اور دنیاوی ادارہ ہونے کا نظریہ رسولِ کریمؐ کے منصبِ رسالت کی غلط تاویل پر مبنی ہے۔ آنحضرتؐ کے عہد کی حکومت اور اس کے شعبے بہت حد تک گمنامی کے پردوں میں مستور ہیں، آنحضرتؐ کی بعثت کا مقصد یہ نہ تھا کہ دُنیا میں ایک نئی ریاست یا نئی حکومت وجود میں آجائے۔ آپؐ کسی سلطنت کی بنا ڈالنے کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ آپؐ کا اختیار و اقتدار صرف ان معنوں میں مطلق تھا کہ آپؐ نبی تھے اور خدا کے فرستادہ تھے، نہ کہ اس معنی میں کہ آپؐ سلطان تھے۔ اگر آپؐ نے حکومت یا ریاست کے خارجی عناصر کو اپنایا تو وہ محض دین کی تبلیغ اور استحکام کے لئے تھا اور آپؐ کا مقصدِ اوّل یہی تھا۔

(۳) رسولِ کریمؐ کی حاکمیت دینی تھی، نہ کہ سیاسی، اس لئے آپؐ کی نیابت یا خلافت کا نظریہ باطل ہے۔ خداوند تعالیٰ نے آپؐ کو کسی قسم کا سیاسی اقتدار سپرد نہ کیا تھا اور آپؐ کا منصبِ نبوّت آپ کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہوگیا تھا۔ آپؐ منصبِ نبوّت میں کسی کو وارث بنا ہی نہ سکتے تھے اور سیاسی اقتدار چونکہ آپؐ کو حاصل ہی نہ تھا اس لئے اُسے منتقل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آپؐ کی ذات جامع المتفرقین تھی اور جب تک آپؐ بنفس نفیس مسلمانوں میں موجود رہے

Marfat.com

کسی تفرقے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا اور نہ وحدت کے لئے خارجی سہاروں کی کوئی ضرورت تھی، آپؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ اگر ان کے درمیان کوئی متفقہ حاکم نہ ہوا تو شاید ان کا شیرازہ بکھر جائے۔ اسی لئے انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جو صرف سیاسی حاکم تھے نہ کہ دینی، آپ کی حیثیت انفرادی تھی اور آنحضرتؐ کی نیابت نہ تھی۔ بعض خاص مصلحتوں کی بنا پر "خلیفہ" کا لقب اُن پر چسپاں کر دیا گیا اور بعد میں انھیں دینی اختیار بھی تفویض کر دیا گیا۔

(۴) آنحضرت صلعم کی رسالت محض دینی تھی اس لئے احکام شریعت بھی صرف دینی امور سے متعلق تھے، انہیں سیاسی امور سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ انھوں نے مسلمانوں کو کسی خاص طرز حکومت کا پابند بنایا تھا، حکومت کی نوعیت کا فیصلہ مسلمانوں کی اپنی سہولت پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ خدا کے نزدیک یہ امر کہ انھیں کسی قسم کی حکومت درکار ہے غیر اہم تھا، صرف اس کے مبادیات بیان کر دیئے گئے جن پر عمل کرنے سے وہ اپنی حکومت کی نوعیت خود متعین کر سکتے تھے۔

ترکی میں خلافت کے خاتمے کے فیصلے پر شاید ہی کسی مؤرخ کو اعتراض ہو اور اس فیصلے کی حمایت کرنے پر شیخ علی عبدالرازق سے بھی شاید ہی کسی کو رنج ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ شیخ نے خلافت کے غلاف خامہ فرسائی میں بہت غلو سے کام لیا ہے۔ اپنے تمام عیوب کے باوجود یہ ادارہ اتنا بُرا اور ناپسندیدہ نہ تھا جتنا کہ شیخ نے اسے ظاہر کیا ہے۔ اس لئے اکثر اوقات ان کا طرز استدلال ناگوار سا گزرتا ہے۔ اُن کے نزدیک چونکہ قرآن اور سُنّت دونوں میں خلافت کے جواز میں ناکافی ثبوت موجود ہے اس لئے یہ ادارہ اسلامی نہیں یا کم از کم دینی نہیں۔ اس کے برعکس ہمیں تاریخ کے مطالعے سے یہ نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے روزِ اوّل ہی سے خلافت

کو ایک دینی شعار سمجھا اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت کسی نے یہ اعتراض نہ اُٹھایا کہ چونکہ قرآن اور سُنّت اس کے حامی نہیں، لہٰذا ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ آنے والے زمانوں میں جمہورِ اسلام اور علماء اسلام نے بھی اس پر انگشت نمائی نہ کی۔ بلکہ بدترین اور ظالم ترین خلفاء کے دَور میں بھی کسی نے محض اس سبب سے خلافت کو ختم کرنے کی تجویز پیش نہ کی۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ تیرہ سو سال تک جس ادارے کی حمایت ہر مدرسہ خیال سے ہوتی آئی ہو وہ یک دم غیر اسلامی کیسے ہو گیا؟

اس کے بعد شیخ علی عبدالرّازق فرماتے ہیں کہ کسی خلیفہ کو کُلّی اور کامل بیعت حاصل نہ ہو سکی اور ہر دَور میں اقلیّت نے مخالفت کی۔ اس لئے اجماع کا اصول بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ تصوّر اجماع کے بارے میں کسی قدر غیر صحیح نظر آتا ہے۔ کیا اجماع کا مقصد سو فی صد حمایت ہے؟ کیا یہ اصُول اس بات کا مقتضی ہے کہ کوئی شخص مخالفت نہ کرے؟ اگر ایسا ہے تو کیا کوئی دَور ایسا ہے جس میں کسی ادارے یا فرد کو کامل حمایت حاصل ہوئی ہو؟ اگر نہیں تو پھر اجماع کا تصوّر کیسے پیدا ہوا؟ کیا اجماع سے مراد اکثریت کی رائے نہیں؟ اور جب رسُول کریمؐ نے یہ فرمایا تھا کہ: "میری اُمّت کسی غلط بات پر مجتمع نہ ہو گی" تو کیا آپ اس امر کا اظہار نہیں فرما رہے تھے کہ اکثریت کسی غلط بات پر متّفق نہیں ہو گی۔ البتہ اقلیت ضرور ایسا کر سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کلام مخالفت کا وجود ہی یہ ثابت کرتا ہے کہ اکثریت خلافت کی حامی تھی اور حامی رہی ہے اور یہی اجماع ہے۔

تیسری بات جو شیخ علی عبدالرّازق فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مادی فلاح و بہبود محض خلافت ہی سے مربوط نہیں۔ اس کام کے لئے کوئی سی طرزِ حکومت بھی موزوں ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں یہ عرض کیا جا سکتا ہے کہ اسلام محض عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمّل ضابطۂ حیات ہے۔ اور ایسا ضابطہ جو فرد اور

معاشرے کے ہر پہلو کے ارتقا کے لئے کوشاں ہو کس طرح مادی فلاح و بہبود کو نظر انداز کر سکتا ہے؟ خود آنحضرتؐ نے اپنے عہدِ مبارک میں یہ کبھی نہ فرمایا کہ میرے پاس صرف دینی (یا مذہبی؟) معاملات لاؤ، مجھے تمہاری مادی فلاح اور دُنیاوی ترقی سے کوئی سروکار نہیں۔ ماوردی (احکام السلطانیۃ) اور ابن خلدون (مقدمہ) دونوں یہ رائے رکھتے ہیں کہ جو فرائض خلیفہ کے سپرد تھے وہ کوئی اور حاکم سرانجام نہیں دے سکتا تھا۔ کم از کم کسی اور طرزِ حکومت میں یہ ضمانت نہیں ہو سکتی کہ وہ دین کی حفاظت، شعائرِ اسلامی کا نفاذ اور احکامِ شریعت کا اجراء (جن پر عمل کرنے سے ہی دُنیاوی ترقی کی ضمانت دی جا سکتی ہے) اُسی طرح کرے گی، جس طرح خلافت۔ اسلام میں بنی نوعِ انسان کے معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور دیگر امور کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلام کا مقصد ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس میں انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں توازن پیدا کیا جائے اور اُسے کامل زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا جائے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب طرزِ حکومت اس سے ہم آہنگ ہو اور "دین" کا جزو ہو۔ یونانی فلاسفہ بھی یہ بات جانتے تھے کہ ایک عادل شخص کسی طرح بھی غیر عادل ریاست میں عادل نہیں رہ سکتا۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ریاست تو غیر عادل ہو اور افراد کی مادی ترقی نہایت "عادلانہ" ہو؟ یہ بات کچھ عجیب سی نظر آتی ہے کہ افراد تو مسلمان ہوں اور اپنے دین کے اصولوں پر پورے خلوص سے عمل کرنا چاہتے ہوں لیکن وہ ریاست یا حکومت کے معاملے میں اس بات پر راضی ہو جائیں کہ چلئے "غیر اسلامی" حکومت ہی سہی! اس طرح مادی ترقی تو ممکن ہے حاصل ہو جائے لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ دین سے متعارض نہیں ہو گی؟ مثال کے طور پر مادی ترقی کے لئے سُود انتہائی ضروری سمجھا جاتا ہے لیکن کیا اسے "جائز" کرنے سے دینی ترقی بھی حاصل ہو گی؟ اور

کیا ایسی ریاست "اسلامی" کہی جا سکتی ہے جس میں سُود، شراب اور لحمِ خنزیر مسلمان آبادی کی مادّی ترقی کے لئے ضروری شرط قرار دے دیئے جائیں۔ اس لئے بُنیادی نکتہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ "خلافت" سے مُراد ایسی حکومت ہے جو تمام شعائرِ دین کی محافظ و نگران ہو اور اس کے اصُولِ کار اور دین کے کام میں کوئی تناقض نہ ہو۔ یہ مقصد کسی اور طرزِ حکومت سے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ اور اگر کوئی اور طرزِ حکومت بھی اس اصُول کی تقلید کرے تو اُسے بھی "خلافت" کہنے میں کیا حرج ہے؟ جس طرح ہر وہ طرزِ حکومت جو عوام کو جواب دہ ہو جمہوری اور ہر وہ طرزِ حکومت جو آزادی شکن ہو استبدادی کہلاتا ہے (خواہ ان کے داخلی عناصر کے لحاظ سے ایک ہزار ایک قسمیں بن سکتی ہوں) اسی طرح ہر وہ طرزِ حکومت جو اسلام کے بُنیادی اصُولوں کا تابع ہو اور ان سے سرتابی نہ کرتا ہو "خلافت" کہا جا سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آخری دور میں آ کر خلافت وہ نہیں رہی جو صدرِ اوّل میں تھی۔ لیکن کون سا طرزِ حکومت ہے جو مرورِ زمانہ سے اپنی ہیئت نہ بدل لے؟ اسلام میں سیاست و مذہب کو کبھی ایک دُوسرے سے جُدا نہیں سمجھا گیا۔ آج کے نظریات اور صدرِ اوّل کے نظریات میں ایک واضح فرق یہ ضرور ہے کہ آج مذہب کو سیاست کا غلام بلکہ آلۂ کار بنایا جاتا ہے۔ اس وقت سیاست، مذہب (دین؟) کے تابع اور اس کا ایک جزو تھی۔ اوّلین مقصد دین کا قیام و تبلیغ تھا اور سیاست اُسے حاصل کرنے کا محض ایک ذریعہ تھی۔ جو سیاسی عمل دین سے مطابق نہ تھا وہ کسی طرح بھی قابلِ قبول نہ تھا اور دین جس بات سے مانع تھا وہ سیاست نہ بن سکتی تھی۔ قرآن حُکم تھا اور سیاست سرِ مُو بھی قرآنی احکام سے انحراف نہ کر سکتی تھی۔ یہی وہ کسوٹی تھی جس سے غلط اور صحیح سیاست میں امتیاز ہو سکتا تھا اور یہی وہ ذریعہ تھا جس سے ظالموں اور جابروں کی "سیاست" سے نجات حاصل کی

Marfat.com

جاسکتی تھی۔ اسلام میں خلیفہ "حاکم" نہیں ہے۔ وہ افسر ہے نہ صاحب جبروت، وہ راہب اعظم ہے نہ دیوتا۔ وہ جمہور میں سے ایک فرد ہے اور عوام کا خادم ہے۔ جسے محض اس کی ذہانت، صیانتِ رائے اور دیانت کے سبب مسلمانوں کے امور کا نگران بنایا جاتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ احکامِ خداوندی پر خود عمل کرے اور دوسروں سے عمل کرائے اور اپنے منصب کو محض ایک امانت تصوّر کرے جس کے لئے وہ خدا اور عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔

یہاں ایک اور بات کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ تفصیل کی گنجائش نہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیخ علی عبدالرّازق نے خلافت کی مخالفت موجودہ دور کے ایک نہایت مسموم اور غلط نظریے پر رکھی ہے، انھوں نے اس نظریے کا براہ راست ذکر تو نہیں کیا تاہم ان کے طرزِ استدلال سے ضرور نمایاں ہے۔ یہ نظریہ ہے "نیشنلزم" یا فلسفۂ وطنیت، یہ فلسفہ مغرب کی ایجاد ہے اور ایک لحاظ سے مذہب سے بیزاری کا نتیجہ ہے۔ پندرھویں، سولھویں صدی عیسوی سے یورپ نے رفتہ رفتہ اس تصوّر کی طرف سرکنا شروع کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہنری ہشتم کا پوپ کی اطاعت سے انکار دراصل حُبِّ وطن کی بنا پر تھا۔ (اگرچہ اس میں ہنری کی اور بھی بہت سی ذاتی اغراض شامل تھیں)۔ یہ "نیشنلزم" کی گویا ابتدا تھی۔ اس کے بعد یورپ ہی میں میکاویلی جیسے مفکّرین نے اس فلسفے کو صیقل کیا اور زیادہ چمکدار اور خوش نما بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ وہ سیاست دان جو "جُوع الارض" کی لاعلاج بیماری کے شکار تھے۔ یا وہ جنھیں ذاتی اقتدار کی ہوس بُری طرح ستا رہی تھی اس فلسفے کی طرف لپکے اور رفتہ رفتہ اس کی اساس پر یورپ کی تمام قومی ریاستوں کی عمارتیں استوار ہوئیں۔ اور آج نسلِ انسانی کو متّحد کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی فلسفہ ہے۔ جس کا اظہار "اقوامِ متحدہ" جیسے وقیع ادارے کی مجالس میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ہر شخص

جانتا ہے کہ اس فلسفے کی بُنیاد انسانی یک جہتی اور وحدتِ فکر پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب وحدتِ دین کو خارج کر دیا جائے تو سیاسی اور اقتصادی اختلافات ناگزیر ہو جاتے ہیں۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۴۷ء کا زمانہ اسلامی ملکوں کے لئے بڑا معنی خیز ہے۔ یہی وہ دور ہے جس میں "نیشنلزم" کے جراثیم ان ملکوں میں بھی سرایت کر گئے۔ اس کی ابتدا ترکی سے ہوئی اور پاکستان تک پہنچی۔ عرب اقوام نے جمال الدین افغانی مرحوم کو فراموش کر دیا اور ہم نے اقبال مرحوم کو۔ بنی نوعِ انسان کے ابتلا کا یہ حال ہے کہ دُنیا بھر کے مسیحی مذہبی یک جہتی کو پسِ پُشت ڈال کر ملّی اور وطنی اختلافات کے باعث کم از کم دو مرتبہ ساری دُنیا کو خوفناک جنگوں کی آزمائش میں ڈال چکے ہیں اور دُنیا بھر کے مسلمان اپنے دینی اتحاد کو بھول کر اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے وطن کی بزرگی کے نشے میں سرشار ہیں۔ "مذہب کے باعث بنی نوعِ آدم میں تفرقہ پیدا ہوا" بجا ہے۔ لیکن مذہب کو ترک کر کے دُنیا کو کیا ملا؟ محض انتشار اور باہمی رقابتیں۔ دینی وحدت کو ترک کر کے وطن کے تنگ دائرے میں رہنے سے جو مصائب آج پیش آ رہے ہیں اس کی مثالیں ایک طرف رُوس اور امریکہ کی آویزش اور دُوسری طرف پاکستان اور افغانستان کی نزاع بہت واضح ہیں۔ یہ ہے وہ "نعم البدل" جو مذہب کو چھوڑ کر نیشنلزم کی صُورت میں دُنیا کو ملا!

اسلام نے وطنیّت کے نظریّے کی مخالفت اسی سبب سے کی ہے۔ یعنی وطن کا وہ تصوّر اور اس کی وہ محبّت جو دین کی یک جہتی کو فنا کر دے اور اس کی بنیادوں کو متزلزل کر دے ناقابلِ قبول ہے۔ تمام مسلمان ممالک اسلام کے بنیادی اصولوں پر متّفق ہیں لیکن آج وطنی اور سیاسی مصلحتیں وحدت کے راستے میں حائل ہیں۔ "خلافت" کے معائب و محاسن سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کیا

Marfat.com

مسلمان ممالک کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایک CONFEDERATION قائم کرلیں؟ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے ہم آپس کے چھوٹے موٹے اختلافات دُور کرسکتے ہیں۔ اس طرح تمام مسلمان ملکوں کو ایک مرکز حاصل ہو سکتا ہے جس کے اختیارات محدود ہوں اور جس کے ذمے چند متفقہ اُمور ہوں (مثلاً دفاع، اُمورِ خارجہ، رسل ورسائل اور نقدی)، ان کی ایک پارلیمنٹ ہو، ایک مرکزی انتظامیہ اور ایک عدلیہ ہو (جس طرح "اقوامِ متحدہ" میں ہے) مقامی طور پر ہر ملک خودمختار اور آزاد ہو اور اندرونی معاملات کو اپنے مخصوص حالات کی بنا پر سلجھائے۔ اس طرح مسلمان ملکوں کو نہ تو کسی خاص "بلاک" سے منسلک ہونا پڑے گا اور نہ اپنے محدود ذرائع کا ماتم کرنا پڑے گا۔ آپس میں متحد ہو کر وہ دفاعی تدابیر بھی اختیار کرسکتے ہیں اور دُنیا کے امن و سلامتی کے لئے کوشاں بھی ہوسکتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ "اتحادِ وطن" کے تنگ دائرے سے نکل کر "حصارِ ملت" کو مضبوط کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے، کیونکہ۔

ع منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک!

بہرحال خلافت کے اعلیٰ منصب (اور اعلیٰ مقصد) کی پامالی اور زبوں حالی پر جو تنقید شیخ علی عبدالرازق نے کی ہے، ہمیں اس پر بھی غور کرنا چاہیے۔ ان کا تجزیہ بالکل بے معنی نہیں۔

اس ترجمے کے لئے میں اپنے محترم اُستاد پروفیسر ولفرڈ سی۔ اسمتھ ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، میگل یونیورسٹی، مانٹریال (کینیڈا) کا ازحد ممنون ہوں۔ جب میں نے اپنا یہ ارادہ ان پر ظاہر کیا (جب میں اس انسٹی ٹیوٹ میں ۱۹۵۲-۵۳ء میں ریسرچ اسسٹنٹ تھا) تو انھوں نے اسے بے حد پسند فرمایا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ ان کے پُرخلوص جذبے کے بغیر شاید میں اس کام کا بیڑا نہ اُٹھا سکتا۔ انھیں سے مجھے معلوم ہوا کہ اس کتاب کا ترجمہ بہت عرصہ پیشتر مسٹر چارلس

Marfat.com

ایڈمز (C. ADAMS) نے انگریزی میں بھی کیا تھا لیکن وہ بعض وجوہ سے شائع نہ ہو سکا میرے پاکستان چلے آنے کے بعد پروفیسر موصوف نے انگریزی ترجمے کا PHOTOSTAT مجھے یہاں بھجوایا، اور خود قاہرہ جا کر کتاب کے مصنف سے ان دونوں تراجم کو شائع کرنے کی اجازت حاصل کی۔ ان کی دلچسپی اور شغف کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے میں نے اگرچہ اردو ترجمہ براہِ راست عربی سے کیا ہے تاہم انگریزی ترجمے سے تقابل بھی کر لیا ہے۔ میں نے اپنے ترجمے میں چند حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ قرآنی آیات اصل کتاب میں حوالے کے بغیر درج تھیں، میں نے (اور مسٹر ایڈمز نے بھی) یہ حوالے مہیا کر دیئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسٹر ایڈمز کے ترجمے میں آیات کا متن درج نہیں صرف ترجمہ ہے۔ میں نے متن اور ترجمہ دونوں دیئے ہیں۔ ترجمے اور حوالے کے لئے میں نے شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم کا ترجمۂ قرآن منتخب کیا تھا۔ مسٹر ایڈمز نے کوئی اور نسخۂ قرآن چنا ہے۔ اسی لئے آیات کے نمبروں میں آپ کو اختلاف نظر آئے گا کیونکہ قرآنی آیات کی تعداد عام طور پر مختلف نسخوں میں مختلف ہے۔

یہاں میں اظہارِ تشکر کے لئے اپنے محترم اُستاد پروفیسر اسحٰق موسیٰ الحسینی (جامعہ امیریکیہ، قاہرہ مصر) کا ذکر ضرور کرنا چاہتا ہوں۔ پروفیسر موصوف اس زمانے میں جب میں انسٹی ٹیوٹ میں تھا وہاں ایک سال کے لئے VISITING PRO- FESSOR کی حیثیت سے تشریف لائے ہوئے تھے، اُنھوں نے اس ترجمے کے سلسلے میں بے حد مدد دی اور اکثر مشکل مقامات سمجھانے اور بعض اُلجھنیں دُور کرنے میں میری اعانت فرمائی، انھوں نے ایک دوست کی طرح جس خندہ پیشانی سے ہمیشہ وقت نکال کر میری دقتیں رفع کیں میں اس کے لئے ان کا انتہائی ممنون ہوں۔ ان کی تشریح و تفسیر کے بغیر ممکن تھا کہ میں کئی ٹھوکریں کھاتا۔

Marfat.com

احسان ناشناسی ہو گی اگر میں اپنے جامع صفات دوست محترم ضیاء الدین احمد صدیقی ایم۔ اے، لیکچرار شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کا ذکر نہ کروں۔ جن کی معیت میرے لئے بہمہ وجوہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ انھوں نے کمال ذرہ نوازی سے ترجمے کے مسودے کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور اکثر مقامات پر اپنی ناقدانہ اور مشفقانہ رائے سے نوازا۔ میں دلی طور پر ان کا احسان مند ہوں۔ افسوس کہ ان کی رفاقت میرے لئے بہت مختصر ثابت ہوئی اور ہم دو مختلف مقامات میں تبدیل ہو گئے۔ ع

روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

لاہور۔ سنہ ۱۹۶۰ء

راجہ ف۔ م۔ ماجد

Marfat.com

مقدمۂ مصنّف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ میں اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا اور اس کے علاوہ کسی سے خائف نہیں، سب قوّت اور عزّت اسی کے لئے ہے اور اس کے علاوہ سب ضعیف و حقیر ہیں، دُنیا اور آخرت میں سب تعریف اسی کے لئے ہے۔ وھو حسبی ونعم الوکیل!

میں اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمّد صلعم خدا کے رسُول ہیں۔ جنھیں خدا نے شاہد، مبشّر اور نذیر بنا کر بھیجا اور خدا ہی کی اجازت سے اُنھیں ہدایت کی طرف دعوت دینے والا بنایا اور انھیں سراجِ مُنیر بنایا۔ صلّی اللہ وملائکتہ علیہ وسلّموا تسلیماً کثیراً.

۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں مجھے مصر میں محاکم شرعیہ (شرعی عدالت) کا قاضی بنایا گیا، اس بات نے مجھے آمادہ کیا کہ میں شرعی قوانین کی تاریخ پر تحقیق کروں۔ عدلیہ اپنی تمام اقسام کے ساتھ حکومت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور

Marfat.com

اس کی تاریخ حکومت کی تاریخ سے بہت زیادہ متصل ہے۔ اسی طرح محاکم شرعیہ حکومت اسلامی کا ایک رکن ہیں اور اس کے شعبوں میں سے ایک شعبہ۔ یہ لازمی امر ہے کہ جو شخص ان عدالتوں کا مطالعہ کرنا چاہے وہ اس کے رکن اوّل یعنی: "اسلام میں حکومت" سے ابتدا کرے گا۔

اسلامی حکومت کی عمارت (جیسا کہ لوگ کہتے ہیں) خلافت یا امامتِ عظمیٰ پر قائم ہے۔ اس لئے اس کی بحث ضروری ہے۔ اس تحقیق کو شروع کئے ہوئے مجھے چند سال گزر رہے ہیں لیکن میں اس ابتدائی بحث سے آگے نہیں جا سکا اور انتہائی کوشش کے باوجود ان صفحات سے زیادہ نہیں لکھ سکا۔ میں انہیں کو انتہائی عجز اور کم مائگی کے احساس کے ساتھ ان لوگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جنہیں اس موضوع سے دلچسپی ہے۔

میں نے اسے تاریخ عدلیہ کی تحقیق کی تمہید بنایا ہے اور اس میں میں نے خلافت اور اسلامی نظریہ حکومت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے اس میں بحث کے ہر پہلو کا احاطہ کیا ہے میرے لئے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ میں بعض موقعوں پر اجمال سے دامن بچا سکوں۔ اس لئے میں نے اکثر محض اشارات پر اکتفا کیا ہے۔ ممکن ہے قارئین کا ایک طبقہ انہیں مبہم سمجھے۔ یہ ایسے اشارات ہیں جن کی اہمیت شاید ان سے پوشیدہ رہے یا ممکن ہے وہ ان کے لئے ایک معمہ ثابت ہوں۔ یہ ایسے استعارات ہیں جنہیں، ممکن ہے، وہ حقائق سمجھیں اور حقائق جنہیں وہ استعارات تصوّر کریں!

135015

اگر خدا نے مجھے اس بحث کو جاری رکھنے کی سعادت بخشی تو مجھے اُمید ہے کہ میں ان اوراق کے نقائص کا (جن سے میں آگاہ ہوں) تدارک کر سکوں گا۔ ورنہ یہی سمجھا جائے کہ میں نے محققین کے لئے ایک ایسا نشانِ راہ چھوڑا ہے جس کی مدد سے

Marfat.com

وہ اپنی جدتِ رائے سے کوئی نئی بات دریافت کرسکیں۔ میں نے اپنے خیالات کی وضاحت کردی ہے اور ان میں میری شدت رائے کو کوئی دخل نہیں۔ ممکن ہے محققین ان میں آیندہ عمارت کے لیے کوئی صالح بنیاد تلاش کرلیں۔ یا یہ ایسا نشانِ منزل بن جائیں جس سے راہِ حق کا مسافر ہدایت پا سکے۔

یہ اوراق میری اس کوشش کا ثمر ہیں جو میں نے پورے طور پر ان پر صرف کی ہے۔ میں نے ان پر کئی سال لگائے ہیں۔ یہ سال مشکلات، ذہنی الجھنوں اور گوناگوں پریشانیوں سے پُر تھے۔ میں اگر ایک دن کام کرتا تھا تو حوادث مجھے کئی دن اس سے روک لیتے تھے۔ پھر اگر چند مہینے مجھے فرصت ملتی تو کئی سال اس سلسلے کو منقطع کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے تعجب نہیں کہ میں جس صورت میں اسے پیش کرنا چاہتا تھا وہ اسے میسر نہیں آسکی، نہ اس میں وہ تیقن ہے جو ہونا چاہیے تھا تاہم یہ میری وسعتِ نفس کی انتہا ہے اور یہ میری بحث کی حد ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا، لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

المنصورہ
بروز چہارشنبہ ۷ رمضان ۱۳۴۳ھ
مطابق یکم اپریل ۱۹۲۵ء

علی عبدالرازق

Marfat.com

Marfat.com

حصّہ اوّل

خلافت اور اسلام

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

خلافت اور اس کا مفہوم

[۱۔ "خلافت" کے لغوی معنی ـــــ ۲۔ اصطلاح اور خلافت ـــــ ۳۔ "خلیفہ نائب رسول ہے" اس کا مفہوم ـــــ ۴۔ "خلیفہ" کی وجہ تسمیہ ـــــ ۵۔ خلیفہ کے حقوق ـــــ ۶۔ خلیفہ کو شریعت نے محدود کر دیا ہے ـــــ ۷۔ خلافت اور ملوکیت ـــــ ۸۔ "خلیفہ" کے اقتدار کا سرچشمہ کیا ہے؟ ـــــ ۹۔ کیا اس کا سرچشمہ خدا ہے؟ ـــــ ۱۰۔ کیا امت ہے؟ ـــــ ۱۱۔ یورپ کے مفکرین میں اسی قسم کے اختلاف کا ظہور]

(۱) "خلافت" فعل "خَلَفَ" سے بنا ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں: "کسی کا جانشین بننا"۔ "تخلّف" کے معنی ہیں: "کسی کا قائم مقام ہونا، کسی کے بعد آنا، کسی کی جگہ ناظم امور بننا"۔ عام معنوں میں "خَلَفَ" اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی کی بجائے کوئی کام سرانجام دے، خواہ اس کی زندگی میں خواہ اس کے بعد۔ قرآن مجید میں آیا ہے:۔

"ولو نشآء لجعلنا منکم ملآئکۃً فی الارض یخلفون" (اور اگر

ہم چاہتے تو ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے کہ وہ زمین میں جانشین ہوتے] (سورۃ "زخرف ۴۳ : ۶۰)

خلافت کسی دوسرے شخص کی نیابت سے ہے، اور وہ یا تو مقرر کرنے والے کی غیر موجودگی کی وجہ سے، یا اس کی موت سے، یا اس کے ذاتی عجز کی وجہ سے واقع ہوتی ہے ـــــ "خلیفہ" کی جمع "خلائف" ہے اور "خُلَفاء" کا واحد "خلیف" ہے [۱]، اور "خلیفہ" درحقیقت "سلطانِ اعظم" ہے [۲]۔

(۲) مسلمانوں کی اصطلاح میں "خلافت" (اور اس کا مترادف "امامت"): "ایک ریاستِ عامّہ ہے جس کا حامل امورِ دین و دُنیا میں آنحضرتؐ کے نائب کے طور پر کام کرتا ہے" [۳]، بیضاوی [۴] کا قول اس سے مشابہ ہے: "امامت کا مطلب کسی شخص کا قوانین شرعی کو قائم کرنے اور حدودِ ملّت کی حفاظت کرنے کے لئے آنحضرتؐ کا ایسے طریقے سے خلیفہ ہونا ہے کہ تمام اُمّت اس کی اطاعت کرے [۵]

ابنِ خلدون نے گویا اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے: "شریعت کے مطابق، خلافت کا مفہوم تمام اُمّت پر ان معاملات میں جو دُنیا اور آخرت دونوں میں ان کے فائدے کے لئے ہیں ضبط و اختیار ہے، امورِ اخروی، امورِ دنیاوی سے مربوط ہیں کیونکہ شریعت کے نقطۂ نظر سے دنیاوی اُمور، اُمورِ آخرت کے مفاد سے متعلق ہیں

---

[۱]: "مفردات فی غریب القرآن" از اصفہانی (ابوالفرج علی بن الحسین الاصفہانی (۲۸۲ھ تا ۳۵۶ھ) خالص عرب، اصفہان میں پیدا ہوا۔ عالم بے مثل علم حدیث، طب و نجوم کے علاوہ موسیقی، ادبیات اور تاریخ و سیر میں اس کا جواب نہیں۔ اس کی کتاب "الأغانی" "تاریخ ادبیاتِ عرب کا ایک گرانبہا خزانہ ہے۔ مترجم۔ [۲]: قاموس، صحاح، وغیرہ۔ [۳] عبدالسلام۔ حاشیہ "الجوہرۃ" ص ۲۴۲ [۴]: ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی۔ متوفی ۷۹۱ھ

[۵]: "مطالع الانظار علی طوالع الانوار"

Marfat.com

اس لئے درحقیقت یہ دین کی حفاظت اور دُنیاوی اُمور کے انتظام کی خاطر شارع اسلامؐ کی نیابت ہے۔ [۶]

(۳) جو کچھ کیا گیا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک خلیفہ اپنے منصب میں آنحضرتؐ کا قائم مقام یا نائب ہوتا ہے۔ کیونکہ رسولِ کریمؐ اپنی زندگی میں دین کے معاملات کے ذمہ دار تھے جو انھیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوئے تھے اور وہ ان کے نفاذ اور حفاظت پر مامور تھے جس طرح کہ انھیں رسالت، تبلیغ اور لوگوں کو خدا کی طرف بُلاتا اللہ کی طرف سے تفویض ہوا تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح خُدا نے آنحضرتؐ کو دعوتِ حق دینا اور لوگوں تک شریعت مقدسہ پہنچانا بخشا تھا، اسی طرح اُس کے مطابق انھیں دین کی حفاظت اور سیاست دُنیا بھی بخشی تھی [۷] چنانچہ جب آنحضرتؐ کی رحلت ہوئی تو ان کے بعد خلفاء حفظِ دین اور سیاست دُنیا میں آپ کے قائم مقام ہوئے۔

(۴) ان اُمور میں قائم مقام کو لوگوں نے "خلیفہ" اور "امام" کہا۔ اُن کا کہنا ہے کہ "اسے امام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز میں امام ہو اور اس کا اتباع اور اقتدا کیا جائے، وہ خلیفہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ اُمت میں نبیؐ کا قائم مقام ہے، اس لئے اُسے محض 'خلیفہ' یا 'خلیفہ رسول اللہ' کہا جاتا ہے، اسے 'خلیفۃ اللہ' کہنے میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض اُسے جائز سمجھتے ہیں لیکن جمہور کی رائے اس کے خلاف ہے، حضرت ابوبکرؓ کو جب اس لقب سے پکارا گیا تو اُنھوں نے

---

[۶]: مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۸۰۔ (ابوزید عبدالرحمٰن بن ابوبکر محمد متوفی ۸۰۶ھ۔ اس کا خاندان ہسپانیہ میں تھا، اس کے پایہ کا مؤرخ آج تک نہیں ہوا۔ ایک عظیم تاریخ لکھی جس کا مقدمہ زیادہ مشہور ہے۔ اس میں اس نے قوانین تاریخ واضح کئے ہیں۔ مترجم]

[۷]: مقدمہ ابن خلدون: صفحہ ۱۸۱۔

Marfat.com

فرما دیا اور کہا کہ میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ صرف خلیفۂ رسول اللہ ہوں۔" (۸)

(۵) ان لوگوں کے نزدیک خلیفہ کا اپنی اُمّت میں وہی مرتبہ ہے جو رسولؐ کا مسلمانوں میں تھا، اُسے لوگوں پر پُورا اختیار، کامل اطاعت کا حق اور مکمّل اقتدار حاصل ہے۔ اسے اُن کے دینی امور میں بھی پُورا پُورا حق حاصل ہے اور وہ ان میں اس کے قوانین اور شرائع نافذ کرتا ہے، اسی طرح اُس کو اُمّت کے دنیاوی اُمور پر بھی اختیار حاصل ہے اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی عزّت و تکریم کریں۔ کیونکہ وہ رسولؐ کا نائب ہے اور چونکہ مسلمانوں میں کسی کا مرتبہ رسولؐ کے مرتبے سے بالاتر نہیں ہے اس لئے ہر وہ شخص جو آپ کا نائب بنا ایسے مرتبے کو پہنچ گیا جہاں نوعِ بشر میں سے کسی اور کے لئے پہنچنا ممکن نہیں۔ لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسولؐ سے اس کی نسبت ہونے کی وجہ سے اس کا احترام کریں کیونکہ وہ دینِ خُدا کی حفاظت کرنے والا اور اس پر امین مقرّر ہوا ہے مسلمانوں کے نزدیک دین اس عالم کی تمام اشیاء سے فائق ہے، اس لئے جو شخص امورِ دین کا ذمّہ دار ہو وہ دُنیا کی عزیز ترین اور عمدہ ترین چیز کا ذمّہ دار ہے۔

لوگوں پر فرض ہے کہ وہ ظاہر اور باطن میں اس کی بات سُنیں اور مانیں (۹) کیونکہ حکّام کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے (۱۰) امام کا حکم دینا اور (لوگوں پر) اس کی اطاعت کرنا فرض واجب اور امر لازم ہے۔ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی اور اسلام کا دار و مدار اسی پر ہے (۱۱) مختصر یہ کہ سلطان رسولؐ کا خلیفہ ہے اور وہ دنیا میں خدا کی طرف سے پاسبان

---

(۸): مقدمہ ابن خلدون، صفحہ ۱۸۱ (۹): الباجوری (۱۲۷۷ـ ۱۱۹۸ھ) حاشیۃ الجوھرۃ۔

(۱۰): ابوہریرہؓ سے مروی ہے، دیکھئے "العقد الفرید" از ابن عبد ربہ جلد ۱ صفحہ ۵ طبع عثمان عبدالرزاق، قاہرۃ: ۱۳۰۲ھ)۔ (۱۱) ایضاً۔

Marfat.com

ہے اور لوگوں پر خدا کا ظلِّ ممدود ہے [۱۲] اور جو شخص خدا کی زمین پر اس کا سایہ ہو اور رسولؐ کا خلیفہ ہو اُس کا اقتدار عام اور مطلق ہے جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کا اقتدار ہے۔ اس لئے پھر یہ تعجّب کی بات نہیں اگر اسے "لوگوں کی جان، مال اور متاع پر پُورا پُورا تصرّف اور قبضہ" حاصل ہو۔ [۱۳] صرف اسی کو امر و نہی کا حق حاصل ہو اور زمامِ امت صرف اسی کے ہاتھ میں ہو اور معمولی یا اہم سب کاموں کا انتظام بھی اسی کے پاس ہو۔ اس کے اقتدار کے علاوہ ہر ادنیٰ اقتدار و اختیار اُسی سے ماخوذ ہے اور ہر عہدہ جو اس کے ماتحت ہے اس کی حکومت میں شامل ہے اور ہر دینی یا دنیاوی امر اُسی کے منصب کی شاخ ہے۔" کیونکہ منصبِ خلافت دین اور دُنیا دونوں پر مشتمل ہے۔" [۱۴]۔ "گویا کہ وہ امامِ کبیر ہے اور اصلِ جامع ہے، سب (شاخیں)، اسی کی ذات سے پھُوٹتی ہیں اور اس کی جزو ہیں کیونکہ خلافت سب پر حاوی ہے اور ملّت کے دینی اور دُنیاوی سب معاملات پر اُسے تصرّف حاصل ہے اور عموماً احکامِ شرع کا نفاذ (اسی کے ذمّے ہے)] [۱۵]

اقتدار میں خلیفہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی اور کا

---

[۱۲] (ابو جعفر) منصور (دُوسرا عبّاسی خلیفہ ۷۵۴ - ۷۷۵ء) کے خطبۂ مکّہ میں ہے "اے لوگو! میں خدا کی زمین میں اس کی طرف سے حاکم ہوں، میں اس کی توفیق، تائید اور امداد سے تم پر حکومت کروں گا۔ میں اس کے مال کا محافظ ہوں جیسے میں اس کی مشیّت اور ارادے کے مطابق استعمال کروں گا اور اسی کی اجازت سے عطا کروں گا۔ مجھے خدا نے اس پر قفل کی مانند بنایا ہے۔ اگر وہ مجھے کھولنا چاہے تو میں تم پر رزق اور نعمتیں کھول دوں گا اور اگر وہ بند کرنا چاہے تو میں تم پر یہ چیزیں بند کر دوں گا ـــــ الخ" (العقد الفرید، ج ۲، ص ۱۷۹)

[۱۳] "طوالع الانوار" اور اس کی شرح "مطالع الانظار" صفحہ ۴۷۰۔

[۱۴] ابن خلدون، "مقدمہ" صفحہ ۲۲۳ [۱۵] ایضاً، صفحہ ۲۰۷۔

Marfat.com

مسلمانوں پر اقتدار ہو سکتا ہے (سوائے اس حکومت کے جو خلافت کو جوابدہ ہو اور خلیفہ سے اقتدار حاصل کئے ہوئے ہو)، چنانچہ دولتِ اسلامیہ کے سب عمال حاکمِ اعلیٰ کے نائب ہیں اور ہر وہ شخص (مثلاً وزیر، قاضی، والی یا محتسب وغیرہ) جو مسلمانوں کے دینی یا دنیاوی امور پر کسی قسم کا اختیار رکھتا ہو اُسی کے ماتحت ہے، اور صرف وہی ان کے تقرر و معزولی پر، انھیں اختیار عطا کرنے پر اور اُنھیں اتنا اقتدار دینے پر قادر ہے جتنا وہ موزوں سمجھے۔

(۶) خلیفہ کے بارے میں جتنے مباحث ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک خلیفہ اپنے اقتدار میں حدودِ شریعت کا پابند ہے اور وہ ان سے ماورا کوئی بات نہیں کر سکتا، وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ مسلمانوں کو سب راہوں کے سوا صرف ایک معین راستے پر چلائے گا۔ یہ راستہ بالکل صاف ہے اس میں کوئی کھٹکا نہیں اور سیدھا ہے جس میں کوئی موڑ نہیں، شریعت نے اس کی ابتدا اور انتہا بھی واضح کر دی ہے۔ اس کے سنگِ میل نصب کر دیئے ہیں اور اس کے نشیب و فراز ہموار کر دیئے ہیں اور اس کے تاریک موڑوں کو روشن کر دیا ہے۔ شریعت نے اس راستے پر چلنے والوں کے لئے منازل بھی متعین کر دی ہیں اور مسافروں کے لئے قدم ناپ دیے ہیں۔ اب یہ کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس راستے سے بھٹک جائے یا صعوبتیں اُٹھائے، کسی خلیفہ کے لئے بھی اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ یہ راستہ دینِ اسلام کا راستہ ہے جس سے محمد صلعم نے عرصہ دراز سے لوگوں کو روشناس کرا رکھا ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جسے قرآن، سنّتِ محمدیہ اور اجماعِ اُمّت نے مقرر کیا ہے۔

یقیناً پھر یہ لوگ خلیفہ کو قیودِ شریعت کا پابند گردانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر وہ کبھی مُنہ زور بننا چاہے تو یہ اسے روکنے کے لئے کافی ہیں اور اگر وہ ٹیڑھا ہو تو اسے

Marfat.com

سید ھا کرنے کی ضمانت ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر خلیفہ ظالم یا فاجر و فاسق ہو تو اسے خلافت سے معزول سمجھنا چاہیئے۔ (یا کر دینا چاہیئے)

(۷) اسی سبب سے لوگوں نے خلافت اور ملوکیت میں فرق کیا ہے اس لئے کہ "مطلق ملوکیت کا مقصد سب کو اغراض اور خواہشاتِ نفسانی کا پابند بنانا ہے سیاسی ملوکیت کا مقصد عقلی نقطۂ نظر سے دنیاوی منفعتیں عطا کرنا اور دفع ضرر کرنا ہے اور خلافت کا مقصد لوگوں کو شریعت کے مطابق ڈھالنا ہے.... "[۱۶]

اور اسی لئے ابنِ خلدون کی رائے یہ ہے کہ خالص خلافت اسلام کے صدر اوّل میں حضرت علیؓ کے عہد کے آخر تک ہی تھی۔" اس کے بعد وہ ملوکیت بن گئی لیکن خلافت کا مفہوم یعنی دین اور مختلف مذاہب کے چیدہ چیدہ اصولوں پر عمل کرنا اور راہِ حق پر چلنا باقی رہا، اور سوائے اس اصولِ غالب کے جو پہلے دین تھا اور پھر عصبیّت اور طاقت بن گیا کسی چیز میں تبدیلی واقع نہ ہوئی، یہ حال معاویہ، مروان عبدالملک اور بنو عباس کے ابتدائی خلفاء یعنی ہارون الرشید اور اس کے بیٹوں تک رہا۔ اس کے بعد خلافت کا یہ مفہوم بھی جاتا رہا اور صرف اس کا نام باقی رہ گیا اور حکومت خالص ملوکیّت بن گئی اور طاقت کا استعمال جو ملوکیت کا جزو ہے انتہا کو پہنچ گیا اور ذاتی اغراض کے لئے یعنی جبر، نفسانی خواہشات، ترغیبات اور لذّات کی خاطر پوری طرح طاقت برتی گئی، (بنو امیہ میں) عبدالملک کی اولاد کے بعد اور بنو عباس میں ہارون الرشید کے بعد یہی کچھ ہوا۔ ان پر خلافت کا نام صرف عصبیّت عرب کے معنوں میں چسپاں رہا اور خلافت اور ملوکیت اکثر ایک دوسرے سے خلط ملط کی جاتی رہیں۔ اس کے بعد عصبیتِ عرب اور عربوں کی قوم کے زوال کی وجہ سے خلافت کا نام و نشان اور اثر تک بھی مٹ گیا، عربوں کے حالات بگڑ گئے

[۱۶] "مقدمہ ابن خلدون، صفحہ ۱۸۰۔

اور حکومت بس خالص ملوکیت رہ گئی جس طرح مشرق میں ملوکِ عجم کا حال تھا کہ لوگ خلیفہ کی اطاعت محض تبرّک کے طور پر کرتے تھے لیکن وہ خود تمام شان و شوکت اور القاب سمیت حکومت کے مالک تھے۔ درانحالیکہ خلیفہ کے پاس اس میں سے کچھ بھی نہ تھا۔" [۱۷]

(۸) جب وہ لوگ خلیفہ کو پوری طاقت کا حامل بتاتے ہیں، اس کو بلند مقام بخشتے ہیں اور ہر طاقت اس کے لئے مخصوص کرتے ہیں تو اُن کے لئے ہمیں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس قوّت و اختیار کا سرچشمہ کیا ہے جسے وہ گمان کرتے ہیں کہ خلیفہ کے پاس ہے؟ یہ قوّت اسے کہاں سے ملی؟ کس نے اُسے بخشی اور تفویض کی؟

لیکن وہ اس بحث سے بعینہٖ اسی طرح گریز کرتے ہیں جس طرح وہ ان سب معاملات سے کرتے ہیں جو خلافت کے منصب کے متعلّق ذرا سی بحث بھی چاہتے ہوں اور جن پر کچھ سوچنا اور غور کرنا پڑتا ہو۔ مگر وہ شخص جو ان لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہے جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں ممکن ہے اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس بارے میں مسلمانوں کی دو رائیں ہیں:-

(۹) پہلی رائے یہ ہے کہ خلیفہ کو خُدا سے قوّت اور طاقت ملتی ہے اور وہ اسی کے سامنے جواب دہ ہے، یہ رائے ایسی ہے کہ اس کی رُوح عام علماء اور مسلمانوں میں جاری و ساری ہے۔ ان کی ساری گفتگو اور بحث اسی پر مرکوز اور اسی عقیدے کی طرف رہنمائی کرتی ہے، میں نے پہلے [۱۸] اس بات کا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے خلیفہ کو خدا کا سایہ بنا دیا اور یہ کہ ابوجعفر منصور کا گمان یہ تھا کہ وہ خدا کی زمین میں

---

[۱۷] "مقدمہ" ابن خلدون، صفحہ ۱۹۱ و بعد (فصل: "انقلابُ الخلافةِ إلى الملك")۔

[۱۸] دیکھئے اسی ترجمے کا صفحہ ۴، نکتہ ۵۔

Marfat.com

اُس کی طرف سے حاکم ہے۔ اسی طرح فرد اِن اُولیٰ ہی سے علما۔ اور شعرا میں پھیل گئی تھی اور ان کے مباحث میں بھی یہی بات نظر آتی ہے کہ اللہ ہی خلیفہ کو منتخب کرتا ہے اور اس کی طرف "خلافت" نازل کرتا ہے، مثلاً:-

ایک شاعر [۱۹] کہتا ہے:-

جَاءَ الخِلَافَةَ أَوْ كَانَتْ لَهُ قَدَرًا كَمَا أَتَى رَبَّهُ مُوسَىٰ عَلَىٰ قَدَرِ

(وہ خلافت کے پاس آیا یا وہ خود ہی اس کے لئے مقدر تھی جس طرح موسیٰ اپنے رب کے پاس تقدیر کے مطابق آئے)

ایک اور نے کہا ہے:-

وَلَقَدْ أَرَادَ اللهُ إِذْ وَلَّاكَهَا مِنْ أُمَّةٍ إِصْلَاحَهَا وَرَشَادَهَا

(اور خدا کا مقصد، جب اس نے تمھیں اس قوم کا حکمران بنایا تھا کہ تمھاری وجہ سے ان کی اصلاح ہو اور تم ان کی ہدایت کا سبب بنو)

فرزدق کہتا ہے [۲۰]:-

۱۔ هِشَامُ[۲۱] خِيَارُ اللهِ لِلنَّاسِ وَالَّذِي بِهِ يَنْجَلِي عَنْ كُلِّ أَرْضٍ ظَلَامُهَا

(ہشام! تم لوگوں کے لئے خدا کا بہترین انتخاب ہو اور تمھیں وہ ہو جس کے ذریعے دُنیا کی تاریکی دُور ہو گی)۔

---

[۱۹] یہ شعر جریر (متوفی ۱۱۰ھ ہجری) کا ہے اور اس قصیدے سے لیا گیا ہے جس میں اس نے عمر بن عبدالعزیز (آٹھواں اموی خلیفہ ۹۹-۱۰۱ھ / ۷۱۷-۷۱۹ء) کی مدح کی ہے (مترجم)

[۲۰] ابو فراس ھمّام بن غالب بن صعصعۃ، کہا جاتا ہے کہ اس کی عمر سو سال سے بھی زیادہ تھی۔ اس کا انتقال بصرہ میں ۱۱۰ھ میں ہوا (بعض ۱۱۲ھ اور بعض ۱۱۴ھ کہتے ہیں)، مدح میں مبالغہ اور ہجو میں فحاشی کے لئے مشہور ہے (مترجم)، (دیکھئے "دیوان فرزدق" مطبوعہ مکتبہ اہلیہ، بیروت)۔

[۲۱] ہشام بن عبدالملک، دسواں اموی خلیفہ، ۱۲۵ھ میں رصافہ میں ۵۵ برس کی عمر میں انتقال کیا (مترجم)

Marfat.com

۲- وأنتَ لهٰذا النّاسِ بعد نبیّہم سَماءٌ یُرَجّی بالمحُولِ غمامُہا

[اور نبی کے بعد تم ان لوگوں کے لئے آسمان کی طرح ہو جس کے بادلوں کی قحط سالی میں تمنا کی جاتی ہے]۔

یہ رائے یقینی طور پر لوگوں کی زبان پر تھی جس سے یہ ہوا کہ شعراء خلفاء کو خداوندی عزت یا اس کے قریب کا رتبہ بخشنے میں مبالغہ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا:۔

ما شئتَ لا ما شاءتِ الأقدارُ فاحکم فأنتَ الواحدُ القہّارُ

[جو تم چاہو گے (ہوگا) نہ کہ وہ جو قضاء و قدر چاہیں، اس لئے حکومت کرو کیونکہ تم ہی واحد اور قہار ہو]

اور طریح [۲۲] ولید بن یزید [۲۳] کی مدح میں کہتا ہے:۔

۱- أنتَ ابنُ مُسلَنطَحِ البِطاحِ ولَم تَطرُقْ علیکَ الحُنِیُّ والوُلُجُ

[تم وہ ہو جس کا مسکن کشادہ میدان ہیں، اور نشیبی زمینیں اور وادیاں تم پر نہ چھا سکیں]

۲- طوبیٰ لِفَرعَیکَ من ہُنا وہُنا طوبیٰ لِأعراقِکَ الّتی تَشِجُ

[تمہاری شاخیں (آباء و اجداد) شاد کام ہوں اور تمہاری جڑیں (درخشندار) بھی جو گچّیہ اور مضبوط ہیں]

۳- لَو قُلتَ لِلسَّیلِ دَعْ طَریقَکَ والموجُ علیہِ کالھَضبِ یَعتَلِجُ

---

[۲۲] طریح بن اسمٰعیل الثقفی، اس نے ولید بن یزید اور ابوجعفر منصور کی مدح کی ہے (دیکھئے "الاغانی جلد ۴، صفحہ ۷۴ و بعد، مطبوعہ مکتبۃ التقدم، مصر)

[۲۳] ولید بن یزید، بنی امیہ کا گیارھواں خلیفہ، جو ۱۲۶ھ میں قتل کر دیا گیا، (دیکھئے ابوالفدا جلد ۱، ص ۲۰۵)۔

Marfat.com

(اگر کبھی تم سیلاب سے، جس کی موجیں چٹانوں کی طرح بلند ہو رہی ہوں، کہو کہ اپنا راستہ بدل لو.....

۴- لَسَاخَ وَارْتَدَّ أَوْ لَكَانَ لَهُ فِي سَائِرِ الْأَرْضِ عَنْكَ مُنْعَرَجٌ

(... تو وہ کم ہو جائے گا اور نیچے بیٹھ جائے گا یا ساری دنیا میں تم سے بچتا پھرے گا)

اگر آپ مختلف علماء کی تالیفات پر غور کریں (خاص طور پر پانچویں صدی ہجری کے بعد) تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ جب کبھی بھی اپنی تصنیفات کے دیباچوں میں کسی بادشاہ یا سلطان کا ذکر کرتے ہیں تو اسے انسانوں کی صف ہی سے بلند کر دیتے ہیں اور اسے ربانی مقامِ عزت سے قریب تر پہنچا دیتے ہیں۔ اس کی مثال نجم الدین القزوینی [۲۴] کے الرّسالۃ الشمسیّۃ فی القواعد المنطقیّۃ" میں مل سکتی ہے جہاں وہ کہتا ہے:-

"وہ جو عنایاتِ خداوندی سے سرفراز ہے اور جو تمام امتوں میں خدا ہی کی حمایت کے سبب بلند ہے، دوست اور دشمن، فرمان شعار اور نافرمان اسی کا سہارا لیتے ہیں اور اسی کی تقلید سے فروغ پاتے ہیں ...."

اس رسالے کے شارح قطب الدین الرّازی [۲۵] نے لکھا ہے:-

"میں نے (اس شرح کے ذریعے) اس عالی حضرت کی خدمت کی ہے جسے خداوند تعالیٰ نے اپنی تائید اور لوگوں کی زعامت کے لئے مخصوص کیا ہے۔ وہ جس کی تابناک پیشانی سے ابدی مسرّت کا نور ہویدا ہے۔ اور جس کی ہمت عالی سے دائمی قیادت کی مہک آتی ہے اور جو دین کے ننگ و ناموس، ملک و ملّت اور مذہب کا پاسبان ہے جو مسلمانوں کا

---

[۲۴] نجم الدین عمر بن علی القزوینی، المعروف بہ الکاتبی، متوفّی ۶۹۳ھ)۔

[۲۵] قطب الدین محمود بن محمد الرّازی، متوفّی ۷۶۶ھ۔

قائد اور ان کا رہنما ہے ․ ․ ․ ․"

عبدالحکیم سیالکوٹی [۲۶] اس شرح کے حاشیے پر لکھتے ہیں:۔

"یہ (کتاب) میں نے اس گرامی قدر کی خدمت میں نذر کی ہے جسے خدا کی خصوصی تائید حاصل ہے اور جسے دائمی ریاست میسر ہے ․․․․․ جو شریعت مقدسہ کے اصولوں کا قیم، اس دنیا میں ظل اللہ، اسلام اور مسلمانوں کا نجات دہندہ، خدا کی زمین پر رحمتیں نازل کرنے والا، نائب رسول اللہ اور جو خداوندی فتح و نصرت سے متمکن ہے ․ ․ ․ ․"

الغرض یہ قول مسلمانوں میں عام ہے اور سب کی زبان پر جاری ہے کہ خلیفہ کو خدا سے حکومت حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی کو جوابدہ ہے۔

(۱۰) دوسری رائے جس پر اکثر علماء نے بحث و مباحثہ کیا ہے یہ ہے کہ خلیفہ کو حکومت صرف امت کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور وہ انھیں کو جواب دہ ہے، وہی اس کی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور وہی اس مقام کے لئے منتخب کرتے ہیں۔

شاید حُطَیئَۃ [۲۷] نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے مخاطب ہو کر اسی معنی میں کہا ہے:۔

۱۔ اَنتَ الاَمامُ الذی من بعدِ صاحِبِہٖ　　اَلقَی اِلیکَ مقالِیدَ النُّہیَ البَشَرُ

(تم ہی وہ سردار ہو جسے لوگوں نے اس (نبیؐ) کے دوست (ابوبکرؓ) کے بعد زمامِ عقل و دانش

---

[۲۶] قاضی عبدالحکیم سیالکوٹی، متوفی ۱۰۶۷ھ، مدفون بہ سیالکوٹ، دیکھیے "کتاب اکتفاء القنوع بما ھو مطبوع"۔

[۲۷] جرول بن اوس ابن مالک، جس کی وفات ۳۰ھ کے لگ بھگ ہوئی (وفات الوفیات ― جلد ا، صفحہ ۲۶۱ دلیعہ)

Marfat.com

سپرد کی ہے]

۲- لم یؤثروك بها إذ قدموك لها   لكن لأنفسهم كانت بك الأثر

(انھوں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ جب انھوں نے تمہیں اس کے لئے منتخب کیا بلکہ یہ احسان تو ان کا خود اپنے اوپر ہے۔)

ہم نے یہ رائے علامہ کاسانی [۲۸] کی کتاب "البدائع" میں صریح طور پر پائی ہے، وہ کہتے ہیں [۲۹]:-

"جو حیثیت وکیل کی وکالت میں ہے وہی قاضی کی قضا میں ہے، دونوں میں اس کے سوا کچھ فرق نہیں کہ موکل جب مرجائے یا دست بردار ہو جائے تو وکیل خود بخود معزول ہو جاتا ہے، اور خلیفہ جب مر جائے یا دست بردار ہو جائے تو اس کے قاضی اور حاکم معزول نہیں ہوتے، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ وکیل یا تو موکل کی اجازت سے یا اس کے خالص حق سے اختیار حاصل کرتا ہے، اگر اس اجازت اور ولایت کی اہلیت ہی باطل ہو جائے تو وکیل بھی معزول ہو جائے گا، لیکن قاضی خلیفہ کی ولایت اور حق سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی ولایت اور حق سے کام کرتا ہے۔ خلیفہ ان کے نزدیک ان کے نمائندے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اسے تمام معاملات (مثلاً نکاح کی وکالت، وغیرہ) کا اختیار حاصل نہیں۔ اگر وہ نمائندہ ہے تو اس کا عمل عامة المسلمین کا عمل ہو گا۔ اسی لئے لوگوں کی ولایت خلیفہ کی موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور قاضی اس ولایت پر قائم رہتا ہے۔ یہ معزولی کے برعکس ہے۔ کیونکہ خلیفہ جب کسی قاضی یا والی کو معزول کرتا ہے تو وہ اس کے حکم سے معزول ہوتا

[۲۸] ابوبکر بن مسعود بن احمد علاؤالدین ملک العلماء الکاسانی، متوفی ۵۸۷ھ، حلب میں دفن ہوئے۔ (الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة)

[۲۹] البدائع، جلد ۷، صفحہ ۱۶ (کتاب کا پورا نام یہ ہے: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع)

Marfat.com

ہے لیکن اس کی موت سے معزول نہیں ہوتا، لیکن درحقیقت وہ خلیفہ کے معزول کرنے سے معزول نہیں ہوتا، بلکہ لوگ اسے معزول کرتے ہیں کیونکہ خلیفہ کو اقتدار اور اختیار عوام کی طرف سے حاصل ہے اور انھوں نے اسے (عہدہ داروں کو) معزول کرنے کا حق دیا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی فلاح وبہبود اس پر مبنی ہے۔ لوگوں کی طرف سے اسے جو ولایت اور نمائندگی حاصل ہے اُس میں معزول کرنے کا حق شامل ہے، معزولی اور موت میں یہی فرق ہے . . . "

اس بارے میں جو بہترین رائے ہمیں ملی ہے وہ " رسالۃ الخلافۃ وسُلطۃ الاُمّۃ (خلافت اور امت کے اقتدار پر رسالہ) جسے حکومتِ مجلسِ کبیرِ وطنی، انقرہ نے شائع کیا اور عبد الغنی سنی بک نے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا، اور جو مطبعہ ہلال مصر سے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) کو شائع ہوا۔

(۱۱) خلیفہ کے اقتدار کے منبع کے بارے میں مسلمانوں کے اس اختلاف کی طرح یورپ میں بھی اختلاف ظاہر ہو چکا ہے اور اس کا اثر تاریخ یورپ کی تدوین اور توسیع واشاعت پر بہت زیادہ پڑا ہے۔ جہاں تک پہلی رائے کا تعلق ہے اس کے بارے میں HOBBES [۳۰] نے لکھا ہے کہ بادشاہوں کا اقتدار مقدس ہے۔

---

[۳۰] Thomas Hobbes، پیدائش ۱۵۸۸ء تفصیل کے لئے دیکھئے۔

A student's History of Philosophy" by Arthur Kenyon Roger (P.P. 242–250).

ٹامس ہابز (۱۵۸۸–۱۶۷۹ء) پندرہ سال کی عمر سے پہلے ہی آکسفورڈ میں داخلہ لیا لیکن اُسے جلد ہی یونیورسٹیوں سے نفرت ہوگئی جو ساری عمر برقرار رہی۔ اپنی محنت سے کلاسیکی اسکالر بنا اور چالیس سال کی عمر کے بعد حساب کے مطالعے نے اسے فلسفہ کا شوق دلایا۔ ۱۶۴۰ء میں ملک کے اندرونی انتشار کے باعث انگلستان چھوڑ کر فرانس چلا گیا اور گیارہ سال اُس (بقیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اوران کا حکومت کرنے کا حق سماوی ہے، دُوسری رائے کا حامی JOHN LOCKE [۳۱] ہے جس نے اس پر اپنے خیالات کا کافی اظہار کیا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ جو کچھ پہلے گزر چکا ہے وہ خلافت کے مفہوم کی تشریح کے لئے کافی ہو گا، یعنی یہ کہ علماء مسلمین کے نزدیک خلافت کے معنی یہ ہیں: "یہ دینی اور دنیاوی اُمور میں ریاستِ عامّہ ہے اور وہ شخص جو اس کا حامل ہے آنحضرت صلعم کا نائب ہے۔" [۳۲]

(بقیہ نوٹ [۳۰] پچھلے صفحہ سے) نے پیرس کے نامی فلاسفہ اور سائنس دانوں کی صحبت میں گزارے اور وہیں اُس نے اپنا شاہکار "LEVIATHAN" مکمل کیا جس میں اُس نے حکومت، قرارداد اعلیٰ اور معاہدۂ عمرانی کے مباحث پر اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ (مترجم)

(۳۱) JOHN LOCKE (۱۷۰۳ — ۱۶۳۲ء)۔ ایضاً ہابز کی طرح جان لاک کو بھی آکسفورڈ کی علمی زندگی سے نفرت رہی، اُسے بھی سائنس سے شغف رہا اور مشہور فرانسیسی مفکّر ڈیکارٹ سے متاثر ہوا۔ چار سال فرانس میں گزارنے کے بعد انگلستان واپس آیا لیکن اُسے فوراً ہی ہالینڈ بھاگنا پڑا جو سیاسی جلاوطنوں کی آماج گاہ تھی، وہیں اس نے اپنی کتاب "TWO TREATISES ON CIVIL GOVT." کے لئے مواد جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اُس نے اسے انگلستان میں مکمل کیا، شہری آزادی کے جدید نظریے کا موّید اور ریاست کے اختیارات اور جائداد کی تحدید کا حامی رہا۔ اس کے نزدیک خود لوگ اقتدارِ اعلیٰ کے حامل ہیں۔ (مترجم)

[۳۲]: مقاصد الطّالبین" از سعد الدین التفتازانی (حالات کے لئے دیکھئے باب دوم کا حاشیہ نمبر ۱۱)

Marfat.com

Marfat.com

دُوسرا باب

خلافت کی قانُونی حیثیّت

[۱۔ خلیفہ کے تقرّر کو واجب بتانے والے ـــــ ۲۔ اس کے مخالف ـــــ
۳۔ واجب بتانے والوں کے دلائل ـــــ ۴۔ قرآن اور خلافت ـــــ
۵۔ بعض آیات کے شُبہ کا ازالہ ـــــ ۶۔ سُنّت اور خلافت ـــــ ۷۔ جو
لوگ سُنّت سے دلیل لاتے ہیں اُن کے شبہ کا ازالہ ـــــ]

(۱) مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق خلیفہ کا تقرّر ضروری ہے۔ اگر مسلمان اس سے غافل ہوں گے تو گنہگار ہوں گے۔ ان میں اتنا اختلاف ضرور ہے کہ یہ تقرّر عقلی طور پر واجب ہے یا شرعی طور پر، یہ اختلاف ایسا ہے کہ یہاں ہمیں اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں لیکن وہ سب اس بات پر متّفق ہیں کہ یہ تقرّر بہر حال ضروری ہے۔ ابن خلدون کو تو یہاں تک شک پیدا ہو گیا تھا کہ یہ وجوب اجماعِ اُمّت کی طرف سے ہے۔

(۲) اس نے کہا ہے [۱]: "بعض لوگ اس بات کے حامی ہیں کہ خلیفہ کا

---

[۱] ابن خلدون ـــ "مقدمہ"، صفحہ ۱۸۱۔

Marfat.com

تقرر مطلقاً واجب نہیں، ان کے خیال میں یہ نہ تو عقلی طور پر واجب ہے نہ شرعی لحاظ سے معتزلہ میں سے اصم [۲] اور خارجیوں میں سے کچھ اس خیال کے حامی ہیں [۳] ان سب کے نزدیک سب سے ضروری بات احکام شریعت کا نفاذ ہے اور اگر امت متفقہ طور پر عدل اور اللہ کے احکام کے نفاذ پر عمل کرے تو امام کی ضرورت نہیں اور نہ اس کا تقرر واجب ہے لیکن متفقہ اجماع امت ان کے دلائل کے خلاف حجت اور ثبوت ہے"

(۳) خلیفہ کے تقرر کو واجب بتانے والوں کے دلائل یہ ہیں:۔

اوّل:۔ صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے " کیونکہ رسول کریم صلعم کی وفات پر آپ کے صحابہؓ نے فوراً حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی اور اپنے امور میں انھیں کامل اختیار دیا، اور اسی طرح اس کے بعد ہر زمانے میں ہوتا رہا، لوگ کبھی بھی تاراج اور لاقانونی کی حالت میں نہ رہے۔ یہ عمل اجماع سے ثابت ہو چکا ہے جو امام کے تقرر کے وجوب پر دلالت کرتا ہے" [۴]

دوم: یہ کہ امام کے تقرر پر " شعائر دینی کا قیام و عمل، اور رعیت کی بہبود موقوف ہے اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مترادف ہے۔ یہ دونوں بلاشبہ فرض ہیں ...... امام کے تقرر کے بغیر ان کا مستقل قیام ممکن نہیں، اگر کوئی شخص ان کا ذمہ دار نہ ہوگا تو رعیت کے امور کا انتظام نہ ہو سکے گا اور خلوص و محبت کی جگہ قتل و غارت لے لیں گے ظلم کی کثرت ہوگی اور فتنہ و فساد عام

---

[۲] حاتم الاصم البلخی، زاہد مشہور متوفی ۲۳۷ھ (ابو الفداء، جلد ۲، صفحہ ۳۸)

[۳] خارجیوں کے نزدیک امام کا تقرر مطلقاً واجب نہیں ہے لیکن ان میں سے ایک گروہ حالتِ فتنہ میں اور دوسرا حالتِ امن میں اسے ضروری قرار دیتا ہے (عقائد نسفیۃ حاشیہ کستلانی)

[۴] ابن خلدون — "مقدمہ" صفحہ ۱۸۱۔

Marfat.com

ہوگا۔ تنازعات کا فیصلہ نہیں ہو سکے گا جو معاشرۂ انسانی کی ضرورتوں میں سے ایک اہم ضرورت ہے، جو کچھ اس اہم فرض پر مبنی ہوگا وہ بھی فرض ہوگا تو گویا امام کا تقرر بھی اس لحاظ سے فرض ہوگا۔ . . . . امر و نہی کا امام کے تقرر پر منحصر ہونے کا مطلب دراصل وہ چھ بنیادی حقوق (کلیے) ہیں جن کی نگہبانی زجر و توبیخ، تعزیر اور شارعؑ کی مقرر کردہ سزاؤں ہی سے ہو سکتی ہے نہ کہ اس کے بغیر، یہ چھ حقوق: حفاظتِ دین، حفاظتِ نفس، حفاظتِ عقل، حفاظتِ نسب، حفاظت مال اور حفاظتِ آبرو ہیں۔" [۵]

(۴) ہم نے ان تمام علماء کے مباحث میں، جو یہ گمان کرتے ہیں کہ امام کا تقرر فرض ہے ایک مبحث بھی ایسا نہیں پایا جس میں قرآن کی کسی آیت سے اس کی فرضیت پر دلیل پیش کی گئی ہو، مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر قرآن میں ایک دلیل بھی اس کے موافق ہوتی تو یہ علماء ببانگ دہل اس کا اعلان کرنے اور اس کی تشہیر میں ذرہ بھر پس و پیش نہ کرتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر انھیں قرآن سے امامت کی فرضیت کے بارے میں دلیل کا کوئی شائبہ بھی مل جاتا تو خلافت کے ان خود ساختہ حامیوں میں سے (جو بے شمار ہیں) کوئی نہ کوئی ایسا بھی نکل آتا جو دلیل کے اس شائبے ہی کو دلیل بنا لیتا۔ لیکن علماء متصفین اور متکلفین دونوں اس بات سے عاجز رہے کہ وہ اپنی رائے کی موافقت میں کوئی دلیل قرآن سے پیش کر سکتے، چنانچہ انھوں نے کبھی تو اجماع اور کبھی منطق کے قیاسات اور احکامِ عقل کی آڑ لی اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔

---

(۵) القول المفید علی الرسالۃ المسماۃ "وسیلۃ العبید فی علم التوحید" از شیخ محمد بخیت، صفحہ ۱۰۰۔ (محمد بخیت: ۱۹۲۶ء سے پہلے مصر کے مفتی اعظم تھے، انھوں نے علی عبدالرازق کی اس کتاب کا جواب بھی لکھا تھا "حقیقۃ الاسلام واصول الحکم" جو ۱۹۲۶ء میں مطبع سلفیہ قاہرہ میں چھپی)

Marfat.com

(۵) قرآن کی چند آیات ایسی ہیں جن کے معانی کی حقیقت بیان کرنا ہم یہاں ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہ خیال پیدا نہ ہو کہ وہ امامت کے کسی پہلو سے کسی طرح متعلق ہیں۔ قرآن میں آیا ہے: یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا أَطِیْعُوا اللّٰهَ وَأَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۶۲) ["اے ایمان والو! خدا، اُس کے رسول اور اپنے میں سے حاکموں کی اطاعت کرو"] اور: وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِی الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ... الخ [اور اگر وہ اسے اپنے رسول کی طرف اور ان کی طرف، جو ان میں سے حاکم ہیں، لوٹائیں تو جن لوگوں کو معلوم کرنے کی خواہش ہو وہ ان سے جان لیں گے (۴: ۸۵)] لیکن ہمیں ایک شخص بھی ایسا نظر نہ آیا جو ان آیات سے کوئی دلیل پیش کر سکتا اور نہ ایسا جو ان پر انحصار کرنے کی کوشش کرتا، اس لئے ہم بے کار بحث و مباحثہ سے دامن بچاتے ہوئے اپنے کلام کو طول دینا نہیں چاہتے۔ جہاں مدِ مقابل ہی نہ ہو وہاں جنگ جاری رکھنے سے فائدہ؟

یہ بات غور طلب ہے کہ مفسرین نے پہلی آیت میں "أُولِی الْأَمْرِ" کی ہمیشہ یہ تفسیر کی ہے [۶]:- "ان سے مراد رسول کریمؐ کے عہد کے اور بعد کے امراء مسلمین ہیں اور اس میں خلفاء، قاضی اور سپہ سالار وغیرہ شامل ہیں ... بعض خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مطابق " وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰى أُولِی الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ" علمائے شریعت کو بھی اس میں شمار کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں جہاں "أُولِی الْأَمْر" کا ذکر آیا ہے اس سے "تمام امور کی بصیرت رکھنے والے صحابہ کبار، یا جو اُن میں سے مامور ہوتے تھے" [۷] مراد ہے۔

---

[۶] شرح البیضاوی۔

[۷] زمخشری: "الکشاف"۔ [ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری (۵۳۸ - ۴۶۷ھ) ان کی تفسیر "الکشاف" البیضاوی کی تفسیر کی بنیاد ہے]۔

کچھ بھی ہو بات صرف یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ملتی جو ان کے قول کے مطابق، خلافت پر دلیل بن سکے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں آیتوں کا قریب ترین مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا ہونا چاہیئے جس کی طرف تمام امور رجوع ہوں، اور یہ مفہوم اس خلافت سے جس کا ذکر یہ لوگ بار بار کرتے ہیں، زیادہ وسیع اور زیادہ عام ہے، بلکہ یہ تو اس کے مخالف ہے اور کسی طرح بھی اس کے موافق نہیں۔

اگر اس سلسلے میں کسی کو زیادہ چھان بین کرنی ہو تو اسے سر ٹامس آرنلڈ کی کتاب "خلافت" دیکھنی چاہیئے [۸]، اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں اس کا مفصّل اور مکمّل بیان موجود ہے۔

یہاں ہم صاحبِ "المواقف" کا بیان بھی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ امام کے تقرر کی فرضیت کو ثابت کرنے کے لئے اجماع سے دلیل لانے کے بعد اس نے کہا ہے [۹]:-

"اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اجماع کی حمایت میں کوئی جواز ہونا چاہیئے، اور یہ کہ اگر کوئی جواز یا سند ہوتی تو اجماع شدّتِ احتیاج کے پیشِ نظر تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچتا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس تواتر کو اجماع نے ختم کر دیا اس لئے اب وہ ضرورت نہیں رہی، یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی سند ایسی تھی جو تواتر کے قابل نہ تھی۔ کیونکہ یہ ایسے امور پر مشتمل تھی جو حالات پر مبنی ہیں اور جو ان لوگوں کے قول و مشاہدہ کے بغیر جو آنحضرتؐ

---

[8] Thomas W Arnold: "The Caliphate", Clarendon Press, Oxford, 1924.

[9] "المواقف"، ۲، صفحہ ۴۶۴، از عضد الدین الایجی، متوفّی ۷۵۶ھ)

کے عہدِ مبارک میں لکھنے جانی نہیں جاسکتی۔"

اُس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجماع ایسا ہے جو مستند نہیں، اگر قرآن میں اسے مستند ثابت کرنے کے لئے کوئی آیت ہوتی تو صاحبِ "مواقف" کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آتی،

کتنی عجیب بات ہے، قرآن کو سورۃ "الفاتحہ" سے لے کر "والناس" تک پڑھ جائیے۔ اس میں آپ کو دین کے متعلق ہر تفصیل اور ہر رہنمائی ملے گی، جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے خود فرمایا ہے "ما فرطنا فی الکتاب من شیء" [ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز بیان کئے بغیر نہیں چھوڑی۔ الانعام: ۳۸] لیکن اس میں امامت عامہ یا خلافت کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ملے گا۔ یقیناً اس میں تبدیلی کی گنجائش ہے اور اس پر بحث کی جاسکتی ہے۔

(۶) صرف قرآن ہی نہیں جس نے خلافت کے مسئلے سے چشم پوشی کی ہے اور اسے بیان نہیں کیا، بلکہ سُنّت بھی قرآن ہی کی طرح ہے، وہاں بھی کوئی ذکر نہیں ملتا اور نہ اس پر کوئی بحث موجود ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ علماء نے حدیث سے کوئی استدلال نہیں کیا۔ اگر انھیں کوئی حدیث مل جاتی تو وہ یقیناً اجماع کے لئے اسے ثبوت کے طور پر پیش کرتے اور صاحبِ "المواقف" ہرگز یہ نہ کہتا کہ یہ اجماع ایسا ہے جس کی کوئی سند نہیں۔

(۷) محمد رشید رضا [۱۰] چاہتے ہیں کہ وہ سُنّت سے وجوبِ خلافت کی

---

[۱۰] محمد رشید رضا: پیدائش ۱۸۶۵ء وانتقال ۱۹۳۵ء مفتی محمد عبدہٗ کے شاگرد اور سوانح نگار، ۱۸۹۸ء میں ایک رسالہ "المنار" جاری کیا۔ احادیث سے زیادہ شغف تھا۔ خلافت کے ماتحت "جامعہ اسلامیہ" قائم کرنے کے حامی تھے۔ "حزبِ وطنی" نے ان کی مخالفت کی۔ آپ تجدد پسند تھے۔ تصوف کے غلط عقائد کے مخالف، بدعتوں کے دشمن اور خلافت کے سخت حامی تھے۔ (مترجم)

Marfat.com

کوئی دلیل پیش کریں۔ انھوں نے سعدالدین تفتازانی [۱۱] کی کتاب "المقاصد" سے نقل کر کے امامت کی فرضیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان دلائل میں قرآن یا سُنّتِ رسولؐ سے کوئی استناد نہیں۔ چنانچہ رشید رضا، سعدالدین پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اس نے اور اس جیسے اور لوگوں نے احادیثِ صحیحہ سے امام کا تقرر ثابت کرنے میں غفلت برتی ہے جو جماعتِ مسلمین کو امام کا پابند بنانے کے لئے وارد ہوئی ہیں، بعض احادیث میں یہ نصِ صریح موجود ہے کہ جو شخص بیعت کئے بغیر مر جاتے اس نے گویا جاہلیت کی موت پائی۔ حذیفہؓ سے یہ حدیث مروی ہے (متفق علیہ) کہ آپ نے فرمایا: "جماعتِ مسلمین اور ان کا امام اکٹھے رہیں گے۔" [۱۲]

اس سے پیشتر کہ ہم اس اعتراض پر بحث کریں ہم اس بات کی طرف توجّہ دلانا چاہتے ہیں کہ ان کا قول ایک لحاظ سے ہماری تائید کرتا ہے کہ علماء نے اس بارے میں حدیث سے کوئی استدلال نہیں کیا، رشید رضا جس چیز سے حُجّت لانا چاہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے ابن حزم الظاہری [۱۳] بھی یہی کہہ چکے ہیں، بلکہ ان کا گمان ہے کہ:۔

"قرآن اور سُنّت دونوں میں امام کے وجُوب کے بارے میں وارد ہو چکا ہے جیسا کہ

---

[۱۱] سعدالدین تفتازانی، نام مسعود بن عمر، بعض عمر بن مسعود کہتے ہیں۔ خراسان کے شہر تفتازان میں ۷۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۹۲ھ میں سمرقند میں وفات پائی (دیکھئے: الفوائد البهیة فی تراجم الحنفیة صفحہ ۱۳۵ و بعد) ان کی لاش بعد میں سرخس منتقل کردی گئی (جس کتاب کا ذکر متن میں آیا ہے اس کا پورا نام "مقاصد الطالبین فی اصُول الدّینؒ ہے"]۔

[۱۲]: "الخلافة أو الإمامة العظمی" از محمد رشید رضا، صفحہ ۱۱۔

[۱۳]: ابو محمد علی بن احمد بن سعید ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے اور ۴۵۶ھ میں وفات پائی۔ منقول از دیباچہ کتاب الفصل۔

Marfat.com

قرآن میں آیا ہے : أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (۴ : ۶۲)۔ اس کے علاوہ بہت سی صحیح احادیث بھی موجود ہیں جن میں ائمہ کی اطاعت اور امامت کی فرضیت موجود ہے :[۱۴]

اگر اُن احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جن سے وہ استناد کرتے ہیں، تو امامت، بیعت یا جماعت وغیرہ کے ذکر کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ مثلاً احادیث میں آیا ہے: الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ (سردار قریش میں سے ہیں)، تلزم جماعة المسلمین وإمامها (مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام ساتھ رہیں گے)، من مات وليس في عُنُقِهِ بيعة فقد مات ميتة جاهلية (جو شخص بیعت کئے بغیر مر جائے گو یا وہ جاہلیت کی موت مرا)، من بايع اماماً فاعطاه صفقة يده وثمرة قلبه فليطعه ان استطاع ، فان جاء الخر ينازعه فاضربوا عنق الآخر[۱۵] (جس نے امام کے ہاتھ پر خلوص نیت سے بیعت کی تو اسے چاہیئے کہ اس کی اطاعت کرے، پھر اگر کوئی دوسرا اس کے مخالف پیدا ہو جائے تو اس کی گردن مار دو)، اقتدوا بالذين من بعدى أبي بكرؓ وعمرؓ (ان کی پیروی کرو، جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ)[۱۶]، وغیرہ وغیرہ، ان حدیثوں میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جو اس قول کی تصدیق کرے کہ شریعت نے خلافت یا امامتِ عظمٰی کے وجود کا اعتراف کیا ہے یعنی اس معنی میں کہ خلافت آنحضرتؐ کی نیابت اور مسلمانوں کی نمائندگی ہے۔

---

[۱۴] الفصل فى الملل والأهواء والنحل، جلد ۴، صفحہ ۸۷۔

[۱۵] ابن حزم کا قول ہے کہ "یہ حدیث صحیح نہیں؛ پناہ بخدا کہ ہم غیر صحیح چیز سے استدلال کریں! (الفصل: جلد ۴، صفحہ ۱۰۰)۔

[۱۶] یہ سب حدیثیں رشید رضا کی کتاب "الخلافة أو الأمامة العظمىٰ" میں درج ہیں۔ (ان میں سے اکثر کا ماخذ بیان نہیں کیا گیا)۔

Marfat.com

ہم نہیں چاہتے کہ ان احادیث کی صحت کے بارے میں، جو وہ اس موضوع پر پیش کرتے ہیں، بحث کی جائے۔ اگرچہ اس پر بحث کرنے کے لئے بڑا وسیع میدان موجود ہے، لیکن اس مناقشے سے ہم یہ فرض کرتے ہوئے دست بردار ہوتے جاتے ہیں کہ تمام حدیثیں صحیح ہیں، اس لئے ہم شارعؑ کے استعمال کردہ کلمات مثلاً امامت، بیعت اور جماعت وغیرہ کے معانی پر بحث نہیں کریں گے۔ اگرچہ یہ بحث برمحل ہوتی تاکہ وہ لوگ کم از کم یہ جان لیتے کہ شریعت کی اصطلاح میں یہ عبارات اور امثال ہرگز وہ معنی نہیں رکھتیں جو معنی وہ ایجاد کرتے ہیں اور جن کے بارے میں ان کا دعوٰے ہے کہ اسلام کی لُغت ان کے خیالات سے متّفق ہے۔

ہم بحث کے ان تمام پہلوؤں سے گریز کرتے ہیں اور مانے لیتے ہیں کہ سب احادیث صحیح ہیں، ہم یہ بھی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ائمہ، اولی الامر وغیرہ جب شریعت کی اصطلاح میں وارد ہوتے ہیں تو ان سے اہل خلافت و امامتِ عظمٰی ہی مراد ہیں اور یہ کہ بیعت کے معنی بیعتِ خلیفہ ہی ہیں اور جماعتِ مسلمین کا مطلب حکومتِ خلافتِ اسلامیہ ہے۔ ہم یہ سب فرض کئے لیتے ہیں اور ہر طرح کی رعایت برتنے کو تیار ہیں لیکن اس کے باوجود ان احادیث میں ان لوگوں کی موافقت میں ایک بھی دلیل نہیں ملتی جو خلافت کو شرعی عقیدہ اور احکامِ دین میں سے ایک حکم تصوّر کرتے ہیں۔

حضرت عیسٰیؑ بن مریم نے قیصری حکومت کے بارے میں فرمایا کہ "جو کچھ قیصر سے متعلق ہو وہ قیصر کو دے دو" لیکن حضرت عیسٰیؑ کی طرف سے یہ اس بات کا اعتراف نہ تھا کہ قیصریت خدا کی شریعت کا جزو ہے اور نہ عیسائیت اسے ماننے پر تیار ہے، جو شخص کہ لغاتِ انسانی سے واقف ہو اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ حضرت عیسٰیؑ کی اس بات کو اپنے لئے دلیل سمجھ لے (اور اس طرح قیصریت کو

Marfat.com

قائم رکھنے کا جواز ڈھونڈے)، اسی طرح احادیث نبوی میں امامت، خلافت، بیعت وغیرہ کا جو ذکر آیا ہے اس کی حیثیت بھی وہی ہے جو حضرت عیسیٰ کے اس قول کی ہے جس میں اُنھوں نے قیصر کی حکومت سے متعلق بعض احکامِ شرعی بیان کئے، اس سے زیادہ یہ احادیث کسی اور بات پر دلالت نہیں کرتیں۔

اگر یہ صحیح ہے کہ آنحضرتؐ نے ہمیں اُس امام کی اطاعت کا حکم دیا ہے جس کی ہم نے بیعت کی ہو تو اُسی طرح خُدا نے ہمیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ اگر ہم کسی مشرک سے کوئی عہد کریں تو اسے پورا کریں اور اسے اس وقت تک درست سمجھیں جب تک کہ وہ ہمیں سمجھتا ہو، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا شرک پر راضی ہے اور نہ مشرکین سے وفائے عہد کا خداوندی حکم یہ معنی رکھتا ہے کہ ان کے شرک کو مان لیا جائے۔

کیا شرعی لحاظ سے ہم باغیوں یا گنہگاروں کی اطاعت کے پابند نہیں ہیں؟ کیا ہمارا فرض نہیں کہ جب وہ ہم پر غالب آجائیں تو ہم ان کا حکم مانیں اور ان کی اطاعت کریں جب ان کی مخالفت میں فتنہ و فساد کا خطرہ ہو؟ لیکن یہ حکم اس بات کو ظاہر نہیں کرتا کہ بغاوت مشروع اور جائز ہے، اور نہ اس سے حکومت کے خلاف بغاوت کا جواز نکلتا ہے۔

کیا شریعت نے ہمیں گداگردں سے تحمّل برتنے اور فقراء کا احترام کرنے، ان پر احسان اور ہمدردی کرنے کا حکم نہیں دیا؟ کیا کوئی ذی ہوش یہ کہہ سکتا ہے کہ اس سے یہ شرعی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے درمیان فقراء اور مساکین کو ضرور قائم رکھیں؟

خدا نے غلامی کا ذکر بھی کیا ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم غلاموں کو آزاد کریں اور ان سے نیک سُلوک کریں، ایسا حکم کئی دفعہ آیا ہے، اس سے یہ ثابت تو نہیں

Marfat.com

ہوتا کہ غلامی دین کا ایک رُکن ہے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک پسندیدہ شے ہے۔ اسی طرح خُدا نے طلاق، قرض، خرید و فروخت اور رہن وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے لئے احکام مقرّر کئے ہیں، لیکن ان سے یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دین میں فرض ہیں، نہ اللہ کے نزدیک ان کا کوئی خاص مرتبہ ہے۔

اسی طرح جب نبیؐ نے بیعت اور حکم اور حکومت کا ذکر کیا ہے اور ہمیں حکّام کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اس بارے میں احکام وضع کئے ہیں تو اس کی وجہ وہی ہے جو آپ اب جان اور سمجھ گئے ہیں۔ اب اس کے بعد بھی وجوب شرعی کا دعوٰے بہت بڑا دعوٰے ہے اور کوئی حدیث (اگرچہ وہ صحیح ہی ہو) اس دعوٰی کی حمایت میں دُرست نہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

تیسرا باب

خلافت، اجتماعیت کے نقطۂ نظر سے

(خاتمہ بحث)

(۱۔ اجماع کا دعویٰ ——— ۲۔ اس پر بحث وتمحیص ——— ۳۔ مسلمانوں میں علوم سیاست کا اِنحطاط ——— ۴۔ علوم یونانی کی طرف مسلمانوں کا میلان۔ ——— ۵۔ مسلمانوں کا خلافت سے انحراف ——— ۶۔ خلافت کا قوت وجبر پر اعتماد ——— ۷۔ اسلام دینِ مساوات وعزت ہے ——— ۸۔ خلافت ایک بلند مقام ہے اور اس کا مالک قوت سے اس پر قابض ہے ——— ۹۔ خلافت اور ظلم واستبداد ——— ۱۰۔ علمی اور سیاسی بیداری پر ملوکیت کا دباؤ ——— ۱۱۔ دعویٰ اجماع سے انکار ——— ۱۲۔ خلافت کے خلاف آخری دلائل ——— ۱۳۔ کسی نہ کسی طرح کی حکومت ضروری ہے ——— ۱۴۔ دین میں حکومت کا اعتراف ——— ۱۵۔ حکومت، خلافت سے مختلف ہے ——— ۱۶۔ دین اور دنیا کو خلافت کی حاجت نہیں ——— ۱۷۔ اسلام میں

Marfat.com

خلافت کا خاتمہ ـــــ ۱۸۔ مصر میں برائے نام خلافت ـــــ ۱۹۔ نتیجہ۔ ـــــ]

(۱) قرآن وسُنّت کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے خلافت کے حامیوں کا خیال ہے کہ "ابتدائے اسلام میں نبیؐ کی وفات کے بعد اجماعِ مسلمین کا تواتر اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی عرصہ بھی امام کے بغیر نہیں گزرا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مشہور خطبے میں آنحضرتؐ کی وفات کے وقت کہا کہ "محمدؐ" کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لئے دین کے لئے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی شخص آپ کا قائم مقام ہو"۔ سب نے فوراً ان کی بات مان لی اور سب سے اہم فرض یعنی رسول اللہ صلعم کی تدفین اُن کے سپُرد کر دیا، اُس کے بعد ہر زمانے میں ہمارے زمانے تک لوگوں کا یہی دستور رہا اور کوئی وقت قابلِ اطاعت امام کے تقرر کے بغیر نہیں گزرا۔" [۱]

(۲) ہم اس بات کو تسلیم کئے لیتے ہیں کہ اجماع حجتِ شرعی ہے اور ہم اس کے مخالفین کے ہم نوا نہ ہو کر اس کے خلاف کچھ نہیں کہتے [۲] اور ہم یہ بھی تسلیم کئے لیتے ہیں کہ اجماع بذاتِ خود ممکن الثبوت ہے اور واقع ہو سکتا ہے [۳] ہم

---

[۱] "المواقف" از الایجی اور اس کی شرح۔

[۲] عامۃ المسلمین کے نزدیک اجماع برہانِ قاطع ہے لیکن اکثر اصحابِ رائے مثلاً معتزلہ میں سے ابراہیم النظام اور الفاشانی اور خوارج اور روافض میں سے اکثر نے اسے حجت نہیں مانا۔ (کشف الاسرار)

[۳] بعض روافض اور (معتزلہ میں سے) النظّام اس بات کے حامی ہیں کہ اجماع غیر ضروری امور میں واقع ہو ہی نہیں سکتا اور اہلِ ظاہر میں سے داؤد اور اس کا فرقہ اور احمد بن حنبلؒ اس بات کے قائل ہیں کہ "صحابہ کے بغیر کوئی اجماع نہیں"۔ روافض میں سے زیدیہ اور امامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ "اجماع قرابتِ رسول کے بغیر صحیح نہیں"۔ امام مالکؒ سے روایت ہے کہ "اہلِ مدینہ کے سوا کسی کو اجماع کا حق حاصل نہیں"۔ دیکھئے کتاب "کشف الاسرار" از عبدالعزیز

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دوسروں کے ساتھ مل کر یہ بھی نہیں کہتے کہ "جو شخص اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے"
[۴] لیکن جہاں تک اس مسئلے میں اجماع کا تعلق ہے ہمارے لئے اس کا قبول کرنا
کسی طرح بھی سہل نہیں، اور اگر ہم ان سے دلیل مانگیں کہ شاید اسی صورت میں وہ
فائز المرام ہو جائیں تو یہ بات اور بھی محال ہو جاتی ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم یہ ثابت
کریں گے کہ دعویٰ اجماع نہ تو صحیح ہے اور نہ کبھی قبول کیا گیا ہے، اس لئے خواہ وہ
یہ کہیں کہ یہ اجماع صرف صحابہ کا ہو، یا صحابہ اور تابعین کا، یا علماء مسلمین کا، یا جملہ
مسلمانوں کا، سب برابر ہے لیکن ہم فی الحال چند ابتدائی نظریات سے بحث کرینگے۔

(۳) مسلمانوں کے علمی کارناموں کی تاریخ کے بغور مطالعے سے یہ بات واضح
ہو جاتی ہے کہ ان میں سیاسی علوم کی طرف دوسرے علوم کے مقابلے میں بہت کم رغبت
تھی اور اس کا وجود بھی بہت حد تک ناپید تھا۔ اسی لئے ہمیں ان میں ایک بھی
سیاسی مصنف یا مترجم نظر نہیں آتا اور نہ ہمیں ان میں نظام حکومت یا اصول سیاست
پر کوئی بحث دکھائی دیتی ہے۔ بجز معدودے چند، جن کا غیر سیاسی علوم و فنون کے
مقابلے میں کوئی وزن نہیں، اس حقیقت کے باوجود یہ صحیح ہے کہ ان کے پاس ایسے
مواقع بکثرت تھے جو انھیں علوم سیاست کی مبسوط تحقیق پر آمادہ کرتے، اور وہ اسباب
ان کی نگاہوں پر عیاں تھے جو انھیں ان علوم میں تعمق پر اکساتے۔

(۴) ان میں سے سب سے کم تر سبب تو یہ ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت
اور علمی ذوق کے باوصف یونانی فلسفہ و علم کے شیدا تھے، کیونکہ یونانیوں کی

(بقیہ [۳] پچھلے صفحہ سے) بخاری جو اصول امام فخر الاسلام ابوالحسین علی بن محمد بن حسین البزدوی"
پر ہے مطبوعہ دار الخلافہ ۱۳۰۷ھ، جلد ۳، صفحہ ۹۴۶ و بعد۔

(۴): یہ قول امام احمد بن حنبل سے مروی ہے۔ (دیکھئے "تاریخ التشریع الإسلامی"
از محمد الخضری صفحہ ۲۰۶)

تصانیف (جن کے تراجم اور درس و تدریس پر یہ لوگ ٹوٹ پڑے تھے) ان میں علم سیاست کا رجحان اور شغف پیدا کرنے کے لئے بہت کافی تھیں، یہ تو دراصل قدیم علم ہے اور قدیم فلاسفۂ یونان اس میں اکثر مشغول رہے ہیں، اور اس علم کا فلسفۂ یونان بلکہ حیات یونان میں بہت اہم مقام ہے۔

(۵) لیکن اس سے بھی زیادہ ایک اور اہم سبب موجود تھا، وہ یہ کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ سے لے کر آج تک اسلامی خلافت کا عہدہ ہمیشہ باغیوں اور مخالفوں کا ہدف رہا۔ × اسلامی تاریخ کسی ایسے خلیفہ سے ناآشنا ہے جس کے خلاف بغاوت نہ ہوئی ہو اور نہ × ہم کسی ایسے دَور کو جانتے ہیں جس نے کبھی خلافت کے دعویداروں کے درمیان کشمکش کا منظر نہ دیکھا ہو، یہ درست ہے کہ ہر اُمّت، ہر قوم اور ہر نسل میں بادشاہوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا ہے لیکن ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی قوم اس معاملے میں مسلمانوں سے مشابہ ہوگی، کیونکہ ان میں خلافت کی مخالفت خلافت کے ساتھ ہی پیدا ہوئی اور جب تک خلافت رہی مخالفت بھی باقی رہی۔

اس تحریک مخالفت کی تاریخ بہت ضخیم ہے اور لائق عبرت ہے۔ یہ مخالفت بعض اوقات ایک بہت بڑی طاقت اور واضح نظام بن گئی جیسے کہ حضرت علیؓ کے عہد میں فرقۂ خوارج، کبھی یہ خفیہ طور پر جاری رہی جیسا کہ جماعت اتحاد و ترقی (فرقہ باطنیہ) بعض دفعہ یہ اتنی کمزور پڑ گئی کہ اس کا وجود بھی محسوس نہ ہوتا تھا۔ اور کبھی اس قدر طاقت پکڑ جاتی کہ شاہوں کے تخت متزلزل ہونے لگتے۔ کبھی یہ میدانِ عمل میں آجاتی تھی اور کبھی محض دعوتِ علمی و دینی کے طور پر حالاتِ زمانہ کے مطابق جاری رہتی، یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ ایسی تحریک کے حامی مسئلہ اقتدارِ اعلیٰ (حاکمیت) پر بحث کرتے، اس کے سرچشموں اور نظریات کا تجزیہ کرتے، نظامِ حکومت اور اُس کے متعلقات کا مطالعہ کرتے، خلافت پر اور ان بنیادوں پر جس پر یہ قائم ہے

Marfat.com

تنقید کرتے، اور اسی قسم کے اور مسائل جو علم سیاست سے متعلق ہیں بنظر غائر دیکھتے (لیکن ایسا نہ ہوا)، بلاشبہ عرب اس موضوع پہ بحث کرنے اور اس کو اپنانے کے زیادہ سزاوار تھے۔

(۶) لیکن کیا بات ہے کہ وہ اس علم کے مقابل حیران و پریشان کھڑے ہیں اور بحث کئے بغیر تنگ آکر جی چھوڑ چکے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ اُنھوں نے افلاطون کی "جمہوریت" [۵] اور ارسطو کی "سیاست" [۶] کا بغور مطالعہ نہیں کیا حالانکہ ارسطو انھیں اس قدر پسند آیا تھا کہ اُنھوں نے اسے "معلّم اوّل" کا لقب عطا کیا تھا؟ کیا سبب ہے کہ اُنھوں ("علماء") نے مسلمانوں کو یونانیوں کی مبادیات سیاست اور انواع حکومت کی تفاصیل سے لاعلم اور جاہل رکھا؟ حالانکہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں میں شاہینوں کا علم نحو وغیرہ اور بیدبا ہندی کی کتاب "کلیلہ دمنہ" کا علم مقبول کیا تھا۔ بلکہ انھوں نے تو یہاں تک کیا کہ یُونانیوں کا فلسفۂ خیر و شر اور ایمان و کفر بھی مسلمانوں کے علومِ دین میں شامل کر دیا۔

ہمارے علماء نے علومِ سیاست میں انہماک اس وجہ سے ترک نہیں کیا تھا کہ وہ دوسرے علوم کی تحصیل میں مصروف تھے یا ان علوم کی قدر و قیمت سے غافل تھے، نہ اس وجہ سے کہ وہ ان علوم کے مرتبے سے ناواقف تھے۔ اس لاپروائی کا سبب وہ ہے جسے ہم اب بیان کریں گے۔

(۷) مسلمانوں کے نزدیک خلافت کی اصل یہ ہے کہ "وہ اہل حل و عقد کے اختیار کی طرف راجع ہے۔" [۷] "یعنی امامت دراصل ایک معاہدہ ہے

PLATO: "Republic." : [۵]

ARISTOTLE: "Politics." : [۶]

[۷]: ابن خلدون "مقدمہ"، صفحہ ۱۸۲۔

جو اہلِ حل و عقد اور اس کے درمیان جسے اُنھوں نے لوگوں کا امام منتخب کیا ہے بیعت سے طے پاتا ہے اور ایک دُوسرے سے مشورہ کے بعد وقوع ہوتا ہے۔" [۸] اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک خلافت بیعت اختیاری کی اساس پر قائم ہے اور مسلمانوں میں سے اہلِ حل و عقد کی رضا و رغبت پر مبنی ہے یہ بات معقول نظر آتی ہے کہ دنیا میں اس نہج کی خلافت جو حامیان خلافت پیش کرتے ہیں قائم ہو جائے لیکن جب ہم حقیقت اور واقعات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی خلافت کا دارومدار قوّت و جبر کی اساس کے سوا اور کسی چیز پر نہیں، اور یہ قوّت سوائے چند شاذ و نادر واقعات کے درحقیقت ٹھوس مسلح قوت تھی، اور خلیفہ کے عہدے کو نیزوں، تلواروں، زرہ بند فوجوں اور قوتِ قاہرہ کے بغیر کوئی چیز قائم نہ رکھ سکتی تھی۔ اس کے سوا کسی اور چیز سے کام نہ چلتا تھا اور نہ خلیفہ کو اطمینان میسر آتا تھا۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ ماننے سے انکار کر دے کہ امثال کے طور پر، خلفاءِ راشدینؓ میں سے پہلے تین کی قدر و منزلت کا انحصار مادّی قوت پر تھا، اور یہ کہ اُن کی حکومت کی بُنیاد قوّت و جبر پر تھی۔ لیکن کیا یہ ماننا مشکل ہے کہ علیؓ یا معاویہؓ نے تختِ خلافت تلوار کے سائے اور نیزے کی انی پر تعمیر کیا تھا؟ یہی حال ان کے بعد کے خلفاء کا ہے، اور آج امیر المومنین محمدؐ خامس سلطان ترکی بھی ایک لمحہ بلدیز میں قیام نہیں کر سکتے اگر ان کے پاس وہ لشکر نہ ہوں جو ان کے محل کی حفاظت، تخت کی پاسبانی کرتے اور ان کے دفاع کی خاطر جان دینے پر آمادہ ہیں۔ [۹]

---

[۸] محمد رشید رضا: "الخلافۃ أو الإمامۃ العظمیٰ" صفحہ ۲۴-۲۵)۔

[۹]۔ یہ الفاظ اس وقت لکھے گئے تھے جب خلافت ترکی میں موجود تھی اور محمدؐ خامس (بقیہ ص۶۱ پر)

ہمیں اس میں مطلق شک نہیں ہے کہ طاقت ہمیشہ خلافت کا ستُون رہی ہے اور تاریخ میں کسی ایک خلیفہ کا بھی نام ایسا نہیں جو اپنی محافظ مسلح طاقت کے بغیر ہمارے ذہن میں آسکے، یا اس قوّتِ قاہرہ کے بغیر جو اس پر سایہ فگن تھی یا اُن بے نیام تلواروں کے بغیر جو اس کی حفاظت کرتی تھیں۔

اگر ہمیں بے معنی اعادے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم اپنے قارئین کے سامنے خلافت کا طویل سلسلہ اس حد تک پیش کرتے کہ اُنھیں معلوم ہو جاتا کہ اس زنجیر کی ہر کڑی پر قوت و غلبے کی مہر لگی ہوئی ہے، ان پر واضح ہو جاتا کہ جس چیز کو وہ "تخت" کہتے ہیں وہ انسانی سروں پر استوار ہوا ہے اور انسانی گردنوں پر قائم ہے، اور جسے وہ "تاج" کہتے ہیں اُس کی بقا انسانی زندگی کی قُربانی کے بغیر ممکن نہیں اور جب تک عوام کی طاقت سلب نہ کی جائے اس کی طاقت ممکن نہیں اور نہ یہ اُس وقت تک معزّز و مکرّم ہے جب تک کہ لوگوں کی عزّت و تکریم اُن سے چھین نہ لی جائے ——— جیسے کہ رات، اگر وہ طویل ہو جائے تو دِن گھٹ کر مختصر رہ جاتا ہے۔ اس "تاج" کی چمک دراصل تلواروں کی چمک اور جنگوں کے شعلے ہیں۔

تاریخ کے بعض ادوار میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلح قوت جو خلافت کی بنیاد ہے شاید بظاہر اس حد تک موجود نہیں کہ لوگ اسے محسوس کر سکیں لیکن ہم نے جو کچھ پہلے کہا ہے، اسے اس کا مستثنیٰ نہ سمجھا جائے، کیونکہ طاقت اور جبر بہر حال موجود تھے اور انھیں پر خلیفہ کا اقتدار قائم تھا البتہ اتنی بات ضرور تھی کہ عدم ضرورت کے باعث اس کو استعمال میں لائے عرصہ گزر چکا تھا، جب وہ دیر

(بقیہ [۱] پچھلے صفحہ سے) خلیفہ تھا۔ اس کے بعد جب وہ قوت ہی مٹ گئی جن پر اس کی خلافت کا دار و مدار تھا تو نہ محمد خامس رہا، نہ کوئی اور خلیفہ، اور خلافت ترکی سے ہمیشہ کے لئے رُخصت ہو گئی۔

Marfat.com

تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہی تو وہ اسے بھول گئے، اور اکثر اوقات بعض کو یہ خیال ہونے لگا کہ اب وہ قوت باقی ہی نہیں رہی، لیکن اگر وہ درحقیقت فنا ہو جاتی تو بعد کے خلقاء کے عہد میں کبھی ظہور میں نہ آتی، "حکومت غلبے اور جبر کے سوا کچھ بھی نہیں" [۱۰]، اور بعینہٖ انہی معنوں میں نوشیرواں کا قول ہے کہ "حکومت فوج کا نام ہے"۔ اور ارسطو سے منسوب ہے کہ "حکومت ایسا نظام ہے جس کی پشت پناہ فوج ہے"۔ [۱۱]

(۸) یہ بات قدرتی ہے کہ ہر قوم میں حکومت جبر و قوت پر استوار ہے۔ کیونکہ حکومت ایک بہت ہی لذیذ اور خوشگوار منصب ہے جو تمام دنیاوی لذتوں اور جسمانی و نفسانی خواہشات پر مشتمل ہے۔ اسی لئے غالباً اس کی خاطر فتنہ و فساد ہوتا ہے اور اسی لئے کسی نے بھی مغلوب و مفتوح ہوئے بغیر اپنے آپ کو دوسرے کے حوالے نہیں کیا"۔ [۱۲]، اسی طرح امم اسلامیہ میں بھی یہ بات فطری ہے کہ ان میں بھی حکومت قوت و جبر کے بغیر قائم نہ ہوتی۔ اسلام وہ دین ہے جس نے اپنے پیروؤں کو اخوت و مساوات کی صرف تعلیم ہی نہیں دی اور انہیں صرف یہ تلقین ہی نہیں کی کہ "لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں"، نہ صرف یہ کہا کہ تمہارے مملوکہ غلام دین میں تمہارے بھائی ہیں، اور یہ کہ مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں ـــــ اسلام نے ان نظریوں کی صرف تعلیم ہی نہیں دی ـــــ بلکہ اُس

---

[۱۰] ابن خلدون، "مقدمہ" صفحہ ۱۳۲۔

[۱۱] ایضاً ـــــــ صفحہ ۳۸۔ [یورپ میں بھی اس نظریے کے حامی بہت رہے ہیں اور بہت ہیں جن کے نزدیک حکومت صرف طاقت پر قائم ہے اور ریاست طاقت ہی کے ذریعے وجود میں آئی ہے (FORCE THEORY) یہ خیال کچھ ایسا نیا نہیں ہے ـــ مترجم]

[۱۲] ابن خلدون، "مقدمہ" صفحہ ۱۴۶۔

Marfat.com

نے مسلمانوں کو عمل پر اُبھارا ہے اور اس کا پُوری طرح پابند بنا کر مشق کرائی ہے، اور ان کے لئے ایسے قوانین وضع کئے ہیں جو اخوّت و مساوات پر مبنی ہیں، ان کو مثالیں دے کر حادثات و واقعات سے رُوشناس کرایا ہے، انھوں نے اس اخوّت کو آزما کر دیکھا اور اس مساوات کو اچھی طرح چھُو کر دیکھا ہے۔ رسول امین صلعم اس وقت تک لوگوں سے جُدا نہ ہوئے جب تک کہ وہ اس دین اور اس مذہب سے اچھی طرح واقف نہ ہو گئے اور ان کے دلوں پر اس کا نقش قائم نہ ہو گیا، ابھی مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مسلمانوں میں سے ایک نے منبر پر ایستادہ خلیفہ [۱۳] سے پُکار کر کہا تھا: "اگر ہم نے تم میں کوئی کجی دیکھی تو ہم تمھیں تلوار سے سیدھا کریں گے!"

ان مسلمانوں کے لئے جو حرّیت پر ایمان رکھتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے، اور جو ربّ العالمین کے علاوہ کسی کے سامنے گردن نہ جُھکاتے تھے جس کا اقرار وہ پانچ وقت کی نمازوں میں کم از کم سترہ مرتبہ کرتے تھے [۱۴]۔ ان مردانِ حُر کے لئے یہ بات عین فطری اور ممکن تھی کہ وہ قوّت اور تلوار کے استعمال کے بغیر اپنے ہی جیسے کسی اور شخص کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح نہ جُھکاتے جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعیّت سے مطالبہ کرتے ہیں۔

اسی لئے ہم نے یہ کہا ہے کہ اسلام میں خلافت کی بُنیاد قوت و جبر کے علاوہ اور کوئی چیز نہ تھی۔ (کیونکہ اس کے بغیر عوام کو زیر نہ کیا جا سکتا تھا ــــ مترجم) یہ قوّت شاید ہی مسلح مادّی طاقت کے علاوہ کچھ اور تھی۔

ہمیں اس راز کو تمام و کمال معلوم کرنے سے غرض نہیں، اگرچہ راز وہی ہے

---

[۱۳] یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو پیش آیا تھا ــــ (مترجم)۔

[۱۴] مصنف نے صرف پانچ وقت کی فرض رکعتوں کو لیا ہے ــــ (مترجم)

Marfat.com

جسے ہم اُوپر افشا کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اوقات دُوسرے اسباب بھی پیدا ہو گئے جن کو ہم نے بیان نہیں کیا، لیکن اس وقت ہمیں جس چیز سے غرض ہے وہ یہ ہے جسے ہم پُورے اعتماد سے کہنا چاہتے ہیں کہ خلافت کا طاقت پر دارومدار ایک ایسی کھلی اور واضح حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ یہ واضح حقیقت احکامِ عقل پر مبنی ہے یا نہیں، اور احکامِ دین کے موافق ہے یا نہیں، خلافت کے قوّت و جبر پر مبنی ہونے کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان طاقتوں کو ان لوگوں کے خلاف استعمال کیا جائے جو منصبِ خلافت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں یا اس کی اطاعت نہیں کرتے اور ان کے خلاف جو تختِ خلافت کی بُرائی چاہتے ہیں اور اس کے پایوں کو متزلزل کرنا چاہتے ہیں، تلواروں کو بے نیام کیا جائے۔

اس سلسلے میں یزید کی بیعت کے واقعے کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جب بیعت کی محفل میں ایک نمائندہ خطیب کی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اس نے اپنی تقریر میں چند مختصر جملے کہے۔ لیکن سمجھدار لوگوں کے لئے کارآمد باتیں کہیں، اس نے معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ ہیں امیر المومنین"۔ اور پھر یزید کی طرف اشارہ کر کے کہا: "اگر یہ مر جائے تو پھر یہ!" اور پھر اپنی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اگر کوئی اس سے بھی انکار کرے تو پھر یہ!" [۱۵]

---

[۱۵]: ابن عبد ربّہ: "العقد الفرید" — جلد ۲، صفحہ ۳۰۷ میں یہ درج ہے کہ جب معاویہ ابن ابی سفیان نے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اس نے ۵۵ھ میں تمام علاقوں میں یہ لکھ کر بھیجا کہ اس کے پاس وفد بھیجے جائیں۔ چنانچہ ہر علاقے سے اس کے پاس ایک ایک وفد آیا۔ معاویہ اپنے دربار میں بیٹھ گیا اور وفود کو حاضر (بقیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

(۹) ہر وہ چیز جو تلوار کے زور سے حاصل کی جائے اور اسی سے اس کی حفاظت کی جائے دل کو بہت عزیز ہوتی ہے۔ اس میں کوئی رُو رعایت ممکن نہیں اور نہ اس سے نیچے اُتر کر کوئی کمتر چیز قبول کرنا ممکن ہوتا ہے، سرداری اور حکومت کا عہدہ ہی اس کی بہترین مثال ہے اور وہ واقعی دل کو بہت عزیز ہوتا ہے۔ (خواہ وہ تلوار کے استعمال کے بغیر حاصل ہو) اور جب وہ یُوں حاصل ہو تو ظاہر ہے کہ رُوح کو اس سے کس قدر وابستگی ہوگی اور اس کی حفاظت کس قدر ضروری ہوگی یہاں تک کہ اس کی فکر مال و آبرو سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور اس میں دلچسپی دُنیا کی ہر نعمت اور راحت سے بڑھ کر ہوتی ہے۔

(۱۰) اگر اس دنیا میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جو انسان کو ظلم و استبداد پر اُکساتی ہے اور دشمنی اور بغاوت کا راستہ کھول دیتی ہے تو وہ خلافت کا عہدہ ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ اگر کوئی چیز دل کو پسند ہو اور وہ سب سے زیادہ مرغوب ہو اور پھر اس سے شدید محبت اور میلان بھی ہو اور جس کی پُشت پر قوت غالب ہو تو پھر طاقت کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا اور تلوار کے علاوہ کوئی حکم نہیں چلتا،

اس بات کو بھی جانے دیجئے جو ہم نے پیش کی ہے یہ تو محض قاعدے اور صرف نظریات ہیں۔ اُن تاریخی حقائق پر غور کیجئے جو لوحِ محفوظ پر نقش ہیں۔

کیا یزید بن معاویہ کو خلافت کی محبّت، اس میں رغبت اور قوّت کی شدّت کے علاوہ کسی اور بات نے حسین بن علیؓ کا پاکیزہ خون بہانے کی اجازت دی تھی؟ اور

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ نمبر ۱۵) ہونے کا حکم دیا۔ وہ اپنے اصحاب سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ وہ یزید کے بارے میں گفتگو کریں۔ ان میں سے ایک گروہ نے یہی کیا، اس کے بعد یزید بن مقنّع کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ یہ ہیں امیر المؤمنین" وغیرہ، جو اُوپر درج ہو چکا ہے۔ معاویہ نے اس سے کہا: "بیٹھ جاؤ، تم خلیوں کے سردار ہو۔" (ملخّص)

کیا یزید بن معاویہ ان عوامل کے سوا کسی اور بات سے اسلام کے پہلے دارالخلافہ پر قابض ہو سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کی عزت و حرمت کو تباہ کیا۔ حالانکہ وہ مدینۂ نبوی تھا؟ کیا عبدالملک بن مروان کو خلافت کی محبت کے سوا کسی اور بات نے بیت الحرام کو پامال کرنے کی اجازت دی تھی؟ یہ محض اس لیئے ہوا کہ وہ خلافت کا شیدائی تھا اور اس کے پاس طاقت کی کمی نہ تھی۔ کیا ان اسباب کے علاوہ کسی اور سبب نے ابوالعباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن العباس کو "سفاح" (خوں ریز) بنایا تھا۔ حالانکہ وہ خون مسلمانوں کا تھا اور بنو امیہ اس کی قوم ہی سے تھے؟

اسی طرح بنو عباس ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہے اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے۔ سبکتگین کی اولاد نے بھی یہی کیا۔ نجم الدین صالح ایوبی نے اپنے بھائی ابوبکر عادل بن الکامل سے اسی غرض سے جنگ کی۔ اسے معزول کیا اور پھر قید کیا۔ مملوکوں [۱۶] اور چرکسیوں [۱۷] کی حکومت خلفاء کی معزولی اور قتل سے بھری

[۱۶] ممالیک۔ یہ وہ آزاد شدہ غلام تھے جنہیں چنگیز خاں نے سلاطین مصر کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کا اقتدار فوج اور دربار میں بڑھتا گیا۔ یہ بحریہ ترک ان تھے اور انہوں نے بالآخر سنہ ۱۲۵۲ء میں توران شاہ ایوبی کو قتل کر کے ملوک حکومت کی بنیاد رکھی۔ امیر معزالدین ایبک پہلا مملوک سلطان تھا جس سے توران شاہ کی سوتیلی والدہ شجرۃ الدر نے شادی کر لی۔ ان کا مشہور سلطان ملک الظاہر بیبرس تھا۔ جس نے عباسی خلافت کو مصر میں قائم کیا۔ ممالیک کی حکومت سنہ ۱۳۸۲ء تک قائم رہی (مترجم)

[۱۷] جراکسہ (CIRCASSIANS)۔ روسی اصل، چرکسی کہلاتے تھے۔ ممالیک ہی کی شاخ ہیں جسے برجیہ کہا جاتا ہے۔ ان کا پہلا سلطان ملک الظاہر برقوق تھا جس نے سنہ ۱۳۸۲ء میں ممالیک کی کمزور حکومت کا خاتمہ کر کے حکومت سنبھالی۔ یہ سلاطین بھی ممالیک کی طرح بظاہر عباسی خلفاء کے تابع فرمان تھے لیکن درحقیقت حاکمِ مصر تھے۔ ان کا آخری سلطان تومان بے ہے۔ جس کی حکومت عثمانیوں نے سنہ ۱۵۱۷ء میں ختم کر دی (مترجم)

پڑی ہے اور یہ سب خلافت کی محبّت اور اس سے والہانہ شغف کی وجہ سے تھا۔ اس محبّت اور شغف کی نسبت پر طاقت تھی۔ یہی واقعات بنو عثمان [۱۸] کو پیش آئے [۱۹]

(۱۱) حکومت کی محبّت حاکم کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے تخت کی حفاظت ہر اس بات سے کرے جو اس کی بنیاد کو ہلا دے یا اس کی حرمت کو کم کر دے یا اس کی تقدیس کو گھٹا دے۔ یہ عین فطرت ہے کہ جب حاکم ان پر فتح یاب ہو جائے جنھوں نے اس کی اطاعت سے انکار کیا ہو اور اس کے تخت کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہو تو وہ وحشی، سفاک اور شیطان بن جائے۔ اسی طرح یہ بھی فطری امر ہے کہ حاکم ہر اس بحث و تحقیق کا دشمن بن جائے جس کے بارے میں اسے یہ شک گزرے کہ وہ اس کے قواعدِ ملک کے منافی ہے (خواہ وہ بحث علمی ہی کیوں نہ ہو) یا اس سے اُسے خطرے کی بُو آئے درآں حالیکہ وہ اس سے بعید ہی کیوں نہ ہو۔

اسی لئے جب کبھی بھی موقعہ ملا آزادیٔ علم و افکار پر بادشاہوں کا نزلہ گرتا رہا ہے اور اسی لئے درسگاہیں ظلم و استبداد کا شکار رہی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ علم سیاست حکومت کے لئے سب سے خطرناک علم ہے۔ کیونکہ یہ حکومت کی اقسام، ان کے خصائص، اور ان کے نظام کو مفصّل طور پر بیان کرتا ہے لہٰذا یہ بات ناگزیر تھی کہ بادشاہ اس علم سے عداوت رکھتے اور لوگوں پر اس کے حاصل

---

[۱۸] **بنو عثمان**: ترک سلاطین۔ ان کا مورثِ اعلیٰ سلیمان شاہ تھا جس کا ذکر تاریخ میں ۱۲۲۷ء میں آتا ہے۔ اس کا پوتا عثمان (۱۲۸۸ء) اس حکومت کا معمارِ اوّل کہا جا سکتا ہے۔ سلطان سلیم اوّل (۱۵۱۲ء تا ۱۵۲۰ء) کے دورِ حکومت میں مصر پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا اور خلافت کا مستقر قاہرہ سے استنبول میں منتقل ہو گیا۔ یہ خلافت ترکی میں ۱۹۲۴ء تک رہی۔ جب سلطان عبدالمجید کو برطرف کر کے مصطفےٰ کمال اتاترک نے جمہوریت قائم کی۔ (مترجم)

[۱۹] اس کی مکمل روداد کے لئے دیکھئے، سر ٹامس آرنلڈ کی کتاب THE CALIPHATE.

Marfat.com

کرنے کی راہیں مسدود کر دیتے۔

یہ بیان اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ نہضتِ اسلامی علومِ سیاسی سے خالی ہے اور مسلمانوں کی تحریک علمی ان مباحث سے عاری ہے اور ہمارے علماء نے اپنی ذہانت کے جتنی بحث باقی علوم پر کی ہے اتنی ہی اس علم سے کنارہ کشی کی ہے۔

(۱۲) یہ جان لینے کے بعد ہم مسلمانوں میں علومِ سیاسی کی تحریک کی کمزوری اور ان میں سیاست کے انحطاط پر متعجب نہیں ہیں، لیکن اس پر تعجب ضرور ہے کہ اس علم کو نہ تو پوری طرح موت آئی اور نہ یہ بالکل فنا ہو سکا۔ عجیب تر امر یہ ہے کہ زبان بندی کے ان پہروں اور گھات میں رہنے والی قوتوں اور مہیب طاقتوں کے باوجود ان درزوں میں سے بعض سیاسی بحثیں مجالسِ علم تک سرک سرک کر اور چھن چھن کر پہنچ ہی گئیں، اور اب سیاسی مسائل میں خلفاء کی پسندیدہ آراء کے خلاف چند علماء کی رائیں مل ہی جاتی ہیں۔

اگر ہم اس کتاب کو تمام و کمال صرف اس لئے وقف کر دیں کہ اس میں ہر علمِ سیاسی، ہر حرکتِ سیاسی یا مسائلِ سیاسی پر مسلمان بادشاہوں کے عتاب کو بیان کیا جائے تو یہ اور اس جیسی کئی کتابیں اس بیان پر پوری طرح حاوی نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے ہم اسے مکمل طور پر بیان کرنے سے قاصر ہیں اور ہمارے لئے یہ مجمل اشارہ ہی کافی ہے۔ شاید آئندہ چل کر آپ کو کوئی ایسی بات نظر آجائے جو اس بحث سے قریب اور متعلق ہو۔ اس لئے اب ہم اپنے پہلے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں جہاں ہم یہ کہہ رہے تھے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ "قوم تقرّرِ امام پر متفق ہے، اور یہ اجماع کے مساوی ہے جو خلافت کے وجوب کی دلیل ہے"

اگر ہم پر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ہر دور میں لوگوں نے امامت کی بیعت خاموشی

سے کرلی (یعنی "اجماع سکوت") بلکہ اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ پوری قوم نے ہر دور میں مکمل طور پر عملاً امامت کی بیعت میں حصہ لیا اور اس کا اعتراف کیا (اور یہ اجماع صریح تھا)، اور اگر یہ بات ہم تک منقول بھی ہو تو بھی ہم اسے اجماع حقیقی ماننے سے انکار کر دیں گے اور اس سے کوئی شرعی حکم مستنبط کرنا یا اسے دین میں حجت ماننا ہرگز گوارا نہ کریں گے۔

آپ کو اس سے پہلے یزید کا حال معلوم ہو ہی چکا ہے کہ کس طرح بیعت لی جاتی تھی اور کس طرح اقرار پر مجبور کیا جاتا تھا۔ لیکن ذرا انتظار کیجیے، ہمارے ہاں اور بہت کچھ ہے۔

یزید بن معاویہ سے ہمیں فیصل بن حسین بن علی کا نام یاد آتا ہے، فیصل کا باپ حسین بن علی ان امرائے عرب میں سے تھا جو پہلی جنگِ عظیم میں اتحادیوں کے ساتھ مل کر ترکوں اور سلطان ترک، خلیفۃ المسلمین کے خلاف لڑے تھے۔ اس کی اولاد ممالک عربیہ اور ان کے اطراف میں اتحادی فوجوں کی برملا مدد کرتی رہی اور اپنے ترک اور جرمن حریفوں کو خوار و ذلیل کرتی رہی۔ چنانچہ فیصل اپنی خدمات حسن کارکردگی اور امداد کے صلے میں انگریزوں کی خوشامد کر کے انعام و اکرام سے سرفراز ہوا اور انھوں نے اسے شام کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ ابھی وہ پوری طرح متمکن بھی نہ ہوا تھا کہ فرانسیسی لشکر نے اس کے ملک پر دھاوا بول دیا اور فیصل اپنے تخت و تاج اور ملک و سلطنت کو چھوڑ کر بھاگ نکلا اور انگلستان پہنچ کر دم لیا۔ وہاں سے انگریزوں نے اسے بلادِ عراق کی طرف روانہ کیا اور اسے وہاں کا حکمران بنا دیا[۲۰]

---

[۲۰] - فیصل بن حسین بن علی (۱۸۸۳ء تا ۱۹۳۳ء)، شریف حسین حکمرانِ نجد و حجاز کا بیٹا، پہلی جنگِ عظیم (۱۴-۱۹۱۸ء) میں اس نے انگریزوں کی مدد کی۔ جنگ کے خاتمے پر انگریزوں نے حسنِ کارکردگی کے صلے میں اسے عراق کا بادشاہ بنا دیا۔ (مترجم)

Marfat.com

انگریزوں کا خیال تھا کہ عراقیوں کے اہلِ حل وعقد نے اجماع سے فیصل کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا ہے۔ حالانکہ وہاں کے لوگوں کی ایک جماعت نے جس کے افراد کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل ہے اس کی مخالفت کی تھی، اُن کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جنھیں اس سے پہلے ابن خلدون "شواذ" راقلیت مستثنیٰ، کا نام دے چکا ہے۔

انگریزوں نے بھی غلط نہیں کہا، انھوں نے ایک ایسے انتخاب کا ڈھونگ ضرور رچایا تھا جس میں آزاد اور قانونی انتخاب کے پورے مظاہر موجود تھے اور انھوں نے عراق کے معتبر اور چیدہ چیدہ لوگوں میں سے اکثر کی رائے حاصل کی تھی جو یہی تھی کہ فیصل کو عراق کا بادشاہ بنا دیا جائے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ "یہ" (هذا) تلوار کی طرف اشارہ ہے) جس کی طرف معاویہ کے خطیب نے بیعتِ یزید کے سلسلے میں ذکر کیا تھا۔ بعینہٖ وہی "یہ" تھا جس سے انگریزوں نے فیصل کی بادشاہت کی خاطر اہلِ عراق کی رائے لی تھی۔ کیا اسی چیز کو اجماع کہا جاتا ہے؟ اگر یہ "اجماع" واقعی اجماع ثابت ہو جائے تو یہ ایسا اجماع نہیں جس کا اعتبار کر لیا جائے۔ یہ ممکن ہی کس طرح ہے جب کہ خوارج یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ "امام کا تقرر ہی دراصل واجب نہیں ہے" [۲۱]؟ اسی قسم کی رائے معتزلہ میں سے اصم وغیرہ نے ظاہر کی ہے (جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں)، اگر ہم پر اصم اور خوارج وغیرہ کی مخالفت (اجماع کی) ثابت ہو جائے تو یہ بات دعوائے اجماع کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ ابن خلدون انھیں اقلیت اور مستثنیات ہی شمار کرتا ہے۔

(۱۳) یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ قرآن مجید میں خلافت کا کہیں ذکر تک نہیں بلکہ اس کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ اسی طرح سُنّتِ نبوی بھی اس

---

[۲۱] "المواقف" صفحہ ۳۹۳۔

Marfat.com

معاملے میں خاموش ہے اور اجماع کا اس معاملے میں اتفاق ثابت ہی نہیں ہوتا، پھر کیا اب بھی ان کے پاس قرآن، حدیث یا اجماع کے علاوہ دین میں کوئی دلیل باقی ہے؟ جی ہاں! ان کے پاس ایک آخری دلیل اور ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور دلیل ہم نہیں جانتے۔ یہ وہ آخری پناہ گاہ ہے جس میں وہ پناہ ڈھونڈتے ہیں، لیکن یہ ان کی کمزور ترین اور انتہائی بودی دلیل ہے:۔

وہ کہتے ہیں کہ "شعائر دینی کا قیام اور رعیت کی بہبود خلافت پر موقوف ہے"۔ (۱۴) علمائے سیاست کے نزدیک جو بات مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ کسی مہذب قوم کو حکومت کے قیام کے بغیر چارہ نہیں — خواہ وہ کسی دین کے پیرو ہوں یا ان کا کوئی دین نہ ہو۔ اس سے غرض ہے کہ وہ مسلمان ہوں، عیسائی ہوں، یہودی ہوں یا مخلوط ادیان کے ماننے والے ہوں۔ لیکن کسی منظم قوم کے لئے ایسی حکومت لابدی ہے جو ان کے امور کی نگرانی کرے اور اپنی قلمرو میں ضبط و امان قائم رکھے خواہ ان کا اعتقاد کچھ ہی ہو۔ یا ان کی نسل، رنگ اور زبان کیسی ہی ہو۔ حکومت کی اقسام، اوصاف اور اشکال، دستوری سے لے کر استبدادی تک، اور جمہوری سے لے کر بالشویکی تک مختلف ہو سکتی ہیں، علماء سیاست ایک نوع کو دوسری نوع پر فضیلت دینے میں ایک دوسرے سے الجھے رہے ہیں۔ لیکن ہمیں ان سے ایک بھی ایسا نظریہ نہیں آتا جو یہ کہے کہ ان تمام اقسام حکومت میں سے کسی قوم کے لئے کوئی حکومت بھی ضروری نہیں (ان میں یہ نزاع نہیں کہ حکومت بالذات ضروری ہے یا غیر ضروری) ان کے پاس اس بارے میں دلائل موجود ہیں جنہیں بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں لیکن ہمیں اس بارے میں قطعاً شک نہیں کہ یہی رائے فی الجملہ صحیح ہے اور لوگوں کے انتشار اور افتراق کی اس وقت تک اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان میں کوئی حاکم یا سردار موجود نہ ہو۔ شاید حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مشہور خطبے میں اسی بات کی

Marfat.com

طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اس دین کو ایسے شخص کے بغیر چارہ نہیں جو اس کا ذمہ دار ہو۔ (۲۲) اور قرآن مجید نے بھی شاید کہیں کہیں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے :-

"أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ	کیا وہ آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے
رَبِّكَ ؟ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ	ہیں ؟ ان کی روزی تو ہم نے ان کے درمیان
مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ	دُنیا کی زندگی میں تقسیم کی ہے اور ہم نے
رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ	بعض کے بعض پر درجے بلند کیے۔ تاکہ
دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا	ایک دُوسرے کو محکوم بنا کر رکھے اور
سُخْرِيًّا وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا	آپ کے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے
يَجْمَعُونَ ۝ (سورہ زخرف ۴۳ : ۳۲)	جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ دہلوی)

اسی طرح خداوند تعالیٰ نے "سورۂ مائدہ" میں فرمایا ہے :-

"وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا	اور چاہیئے کہ اہل انجیل اُس کے موافق حکم
أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ ، وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ	کریں جو اللہ نے اُس میں اُتارا ہے اور جو چیز
بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ	اللہ نے اُتاری ہے جو شخص اس کے موافق
الْفَاسِقُونَ ۝ وَأَنْزَلْنَا	حکم نہ کرے سو وہی لوگ نافرمان ہیں۔ ۝
إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا	ہم نے تم پر سچی کتاب اُتاری جو اپنے سے پہلی
لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ	کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کے
وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ، فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	مضامین پر نگہبانی کرنے والی ہے سو تو ان میں
بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ	ان کے موافق حکم کر جو اللہ نے اُتارا ہے اور
أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ	جو حق تیرے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر

---

(۲۲) "لا بُدَّ لهذا الدین مِمَّن یقوم به۔"

Marfat.com

الْحَقِّ ، لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ، وَلَوْشَآءَ
اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً ،
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَآ اٰتَاكُمْ
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ، إِلَى اللّٰهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○ وَأَنِ
احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ ،
وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ ، وَاحْذَرْهُمْ
أَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ
أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ ، فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ
يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ
وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
لَفٰسِقُوْنَ ○ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ
يَبْغُوْنَ ؟ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ يَآ
أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا
الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَآءَ ،
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ، وَمَنْ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهٗ مِنْهُمْ

ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر، ہم نے تم میں
سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک
واضح راہ مقرر کر دی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو سب
کو ایک ہی اُمّت کر دیتا لیکن وہ تمھیں اپنے دیئے
ہوئے حکموں میں آزمانا چاہتا ہے۔ لہٰذا نیکیوں میں
ایک دُوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم
سب کو اللہ کے پاس پہنچنا ہے، پھر تمہیں آگاہ کریگا
جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ اور یہ کہ تو ان میں
اس کے موافق حکم کر جو اللہ نے اُتارا ہے اور ان کی
خواہشوں کی پروانہ کر اور ان سے بچتا رہ کہ تجھے کسی
ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو اللہ نے تجھ پر اُتارا ہے پھر
اگر یہ منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ کا ارادہ انھیں ان
کے بعض گناہوں کی پاداش میں مصیبت میں مبتلا کرنے
کا ہے اور لوگوں میں سے بہت سے نافرمان
ہیں ○ تو کیا پھر جاہلیّت کا فیصلہ چاہتے
ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں ان کے
ہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ○
اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست
نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دُوسرے کے دوست
ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ
دوستی کرے تو وہ انھیں میں سے ہے، اللہ

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ " [۵ : ۵۱ - ۴۷] ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا ○ (ترجمہ: شاہ عبدالقادرؒ دہلوی)

(۱۵) چنانچہ اگر ہم مسلمانوں کو ایک الگ جماعت سمجھ لیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسری اُمم عالم کی طرح وہ بھی ایک ایسی حکومت کے محتاج ہیں جو ان کے امور کا انتظام کرے اور اُن کے کاموں کی نگرانی کرے۔ اگر فقہاء کا مقصد امامت اور خلافت سے درحقیقت یہی حکومت ہو جس کی طرف علماء سیاست اشارہ کرتے ہیں تو پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ صحیح ہے کہ شعائر دینی کا قیام اور رعیّت کی بہبود خلافت (یعنی حکومت) پر موقوف ہے اور یہ حکومت کسی طرح کی ہو اور کسی قسم کی ہو۔ مطلق ہو یا مقیّد، فردی ہو یا جمہوری (REPUBLIC) استبدادی ہو یا دستوری اور شورائی، دیمقراطی (DEMOCRATIC) ہو یا اشتراکی اور بالشویکی — اس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل ان کے لئے نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر خلافت سے ان کی مراد وہ خاص قسم کی حکومت ہے جس سے وہ آشنا ہیں تو ان کی دلیل بودی اور ان کا دعویٰ غیر معقول ہے۔

(۱۶) حقیقت وہی ہے جس کی عقل تائید کرتی ہے اور قدیم و جدید تاریخ جس کی شہادت دیتی ہے کہ شعائر خداوندی اور مظاہر دین ہرگز اس خاص قسم کی حکومت پر موقوف نہیں جسے فقہاء "خلافت" کہتے ہیں۔ اور نہ ان پر جنھیں لوگ "خلفاء" کہتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی دُنیاوی بہبود ان میں سے کسی بات پر موقوف نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے امورِ دینی و دُنیاوی کے لئے اس قسم کی خلافت کی کوئی حاجت نہیں، ہم چاہیں تو اس سے زیادہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خلافت درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی نکبت کا باعث رہی ہے اور منبع شر و فساد بھی، ہم آگے چل کر اس کا مفصّل ذکر کریں گے لیکن اس وقت ہم صرف اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتے

ہیں تاکہ آپ جان لیں کہ ہمارا دین اور ہماری دُنیا اس فقہی خلافت سے بے نیاز ہے۔

(۱۷) ہم اس سے پہلے [۲۳] ابن خلدون کے یہ الفاظ نقل کر چکے ہیں کہ "عصبیتِ عرب اور ان کی نسلوں کے مٹ جانے سے خلافت کا نام و نشان اور اثر تک بھی مٹ گیا، اُن کے حالات بگڑ گئے اور حکومت خالص ملوکیت رہ گئی ..... اور خلیفہ کے پاس اس میں سے کچھ بھی نہ تھا۔" کیا اس سے آپ نے یہ نہیں جانا کہ کسی چیز نے ارکانِ دین کو ریزہ ریزہ کر دیا اور مسلمانوں کی بہبود کو اس طرح سے نیست و نابود کر دیا کہ اگر درحقیقت خلافت ہوتی تو وہ اس کا سدِّ باب کرنے کے قابل ہوتی؟

تیسری صدی ہجری کے نصف سے خلافتِ اسلامیہ کا اثر و نفوذ کم ہونا اور اس کا اقتدار گھٹنا شروع ہو گیا، یہاں تک کہ ان کے ماتحت علاقے محض بغداد کے آس پاس کے ایک تنگ دائرے تک محدود ہو کر رہ گئے، اور "خراسان اور ماوراء النہر ابن سامان اور اس کی اولاد کے پاس چلے گئے۔ عراقین کے علاقے قرامطہ نے لے لئے، یمن ابن طباطبا کے پاس، اصفہان و فارس بنو بویہ کے پاس اور بحرین و عمان خاندانِ قرامطہ کی ایک شاخ کے پاس چلے گئے جہاں انھوں نے ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح اہواز اور واسط معزّ الدّولہ [۲۴] کو مل گئے۔ حلب، سیف الدّولہ [۲۵] کے حوالے ہو گیا اور مصر احمد بن طولون اور

---

[۲۳]: دیکھئے صفحہ ۲۳، نکتہ ۷۔

[۲۴]: بنو بویہ کا پہلا شیعہ حاکم جو ۳۳۴ھ سے ۳۴۷ھ تک بغداد پر حکمران رہا۔ بنو بویہ سو سال سے زیادہ عرصے تک بغداد پر قابض رہے اور انھوں نے امورِ خلافت اپنے ہاتھ میں رکھے۔

[۲۵]: بنو حمدان کا پہلا اور سب سے عظیم المرتبت حکمران، جس نے حلب پر ۹۴۴ء تا ۹۶۷ء حکومت کی۔

Marfat.com

اس کے بعد کے حاکموں (مثلاً اخشیدی، فاطمی، ایوبی اور مملوک خاندان وغیرہ) نے ہتھیالیا، جنھوں نے وہاں غلبہ پالیا اور اس پر قبضہ کرکے وہاں کے امور پر مستقل طور پر قابض ہوگئے"۔ [۲۶]

اس کا ماحصل یہ ہے کہ جن دنوں خلافت کا مستقر بغداد میں تھا اُن دنوں وہاں دین کی حالت اُن علاقوں کے دین سے خاص بہتر نہ تھی جو خلافت سے نکل گئے تھے اور نہ اس کے شعائر زیادہ عمدہ اور اس کی شان زیادہ عظیم تھی، نہ بغداد کی دُنیا زیادہ حسین اور نہ رعیّت کے حالات وہاں زیادہ بہتر تھے۔

(۱۸) ساتویں صدی ہجری کے نصف میں جب تاتار کے لشکر نے بغداد کا محاصرہ کیا اور جب انہوں نے عبّاسی خلیفہ مستعصم باللہ، اس کے اہل وعیال، اور اکابرِ دولت کو قتل کر دیا تو خلافت بغداد سے ختم ہوگئی" اور اسلام تین سال تک خلیفہ کے بغیر رہا"۔ [۲۷]

(۱۹) مصر میں اس وقت ظاہر بیبرس کی حکومت تھی کسی سبب سے اس نے عبّاسی خلفاء کے پس ماندگان کو تلاش کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ قسمت نے اسے ایک ایسے شخص کا پتہ دیا جسے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ عبّاسی خلافت کا پس ماندہ ہے اور ان کے گھرانے کا نشان ہے۔ ظاہر کا ارادہ بھی یہی تھا کہ وہ خلیفہ بن جائے۔ [۲۸]

---

[۲۶]: "تاریخ الخلفاء" صفحہ ۶۴ وبعد، جسے نخلہ بک صالح شفوات نے فرانسیسی سے ترجمہ کیا۔

[۲۷]: ایضاً ــ صفحہ ۷۷۔

[۲۸]: جب چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں نے خلافتِ بغداد کو متزلزل کیا تو عالم اسلام جو عبّاسی خلفاء کو اپنا دینی پیشوا سمجھتا تھا غم میں ڈوب گیا۔ ملک الظاہر بیبرس نے جو حاکم مصر تھا یہ خیال کیا کہ اگر وہ اپنے ملک میں خلافت کا احیاء کرے تو مسلمانوں میں اس کا اعزاز بڑھ جائے گا۔ چنانچہ وہ خاندانِ عبّاسیہ کے ایک فرد مستنصر باللہ کو تلاش کرکے رجب ۶۵۹ھ میں بڑے احترام (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

چنانچہ اس نے مصر میں خلافت کی ایک نئی شاخ کی ابتدا کی جس کا ضبط و اختیار ظاہر ہی کے پاس تھا۔ اُس نے انھیں کٹ پتلی بنا دیا جنھیں لوگ خلفاء مسلمین کہتے ہیں، اس نے مسلمانوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ ان کی عظمت و جلال پر ایمان لائیں، اُن پتلیوں کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھی اور ان کی تمام حرکات و سکنات پر بھی اُسے اختیار تھا اور اُن کی زبانوں پر بھی اسی کا قبضہ تھا۔ ظاہر کے بعد ملوکِ جراکسہ کی بھی مصر میں یہی کیفیت رہی۔ یہاں تک کہ ۹۲۳ھ ہجری میں عثمانیوں نے خلافت پر قبضہ کر لیا۔

پھر کیا ان افسردہ و مردہ صورتوں کو جنھیں مصر کے مُلوک قائم کرتے تھے اور جنھیں وہ "خلفاء" کا لقب دیتے تھے مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی بہبود سے کوئی سروکار تھا؟ وہ تو محض بُت تھے جنھیں وہ حرکت میں لاتے تھے اور پالتو جانور تھے جنھیں وہ قبضے میں کئے ہوئے تھے۔ پھر ان وسیع بلادِ اسلامی کو کیا ہوا کہ انھوں نے خلافت کا طوق گلے سے اُتار پھینکا اور اس کی طاقت اور رعب کو ماننے سے انکار کر دیا اور جب تک وہ قرار پذیر رہے خلافت کے سائے سے دُور رہے اور ان کے بزعم خود جلالِ دینی کو بُتوں کی طرح پُوجنے سے انکار کرتے رہے؟ کیا خلافت کے مٹ جانے سے اور خلفاء کا اثر و اقتدار زائل ہو جانے سے ان کے شعائرِ دینی فراموش کر دیئے گئے یا ان کی رعیّت کا کاروبار معطّل ہو گیا؟ کیا خلافت کا ستارہ ٹوٹ جانے سے ان کی دُنیا تاریک ہو گئی؟ اور کیا زمین و آسمان کی نعمتوں نے اُنھیں بُھلا دیا؟ ہرگز نہیں!

بَانُوا فَمَا بَكَتِ الدُّنْيَا لِمَصْرَعِهِمْ ۔۔۔ وَلَا تَعَطَّلَتِ الْأَعْيَادُ وَالْجُمَعُ

(وہ تو رخصت ہو گئے لیکن دنیا اُن کے مٹ جانے پر ہرگز نہ روئی، اور نہ عیدیں اور جمعے ہی بند ہوئے)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ: ۲۸) سے قاہرہ لے گیا۔ تمام عمائدینِ سلطنت اور جمہور مسلمانوں نے بیعت کی اور مصر میں اس کے نام کا سکّہ و خُطبہ جاری ہو گیا۔ (مترجم)

(۲۰) معاذ اللہ! خدا ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اپنے اس دین کی، جس کی حفاظت کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ عزّت، و ذلّت کسی خاص قسم کی حکومت سے وابستہ کر دے یا امراء کی کسی خاص صنف سے متعلّق کر دے۔ نہ خدا کا منشاء یہ ہے کہ وہ اپنے مسلمان بندوں کی بہبود اور تباہی خلافت کی مرہون کر دے یا خلفاء کے رحم و کرم پر چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے اور اپنے بندوں پر زیادہ رحم کھانے والا ہے۔

اب تک ہم نے جو کچھ کہا ہے اس سے شاید یہ بات واضح ہو چکی ہو گی کہ اُس چیز کی (جسے خلافت یا امامتِ عظمیٰ کہا جاتا ہے) اساس دینِ قیّم یا عقلِ سلیم میں سے کسی بات پر نہ تھی۔ اور وہ جسے وہ اس کی دلیل سمجھتے ہیں، غور سے دیکھنے پر ہرگز دلیل معلوم نہیں ہوتی۔

اب ہمارا فرض ہے کہ ہم خلافت، اس کی ابتداء، اور اس کے منشاء پر اپنی خصوصی رائے کا اظہار کریں، اور خدا سے امداد، ہدایت اور توفیق کے طالب ہو کر اس کو پوری طرح بیان کریں۔

Marfat.com

حصّۂ دوم

حکُومت اور اسلام

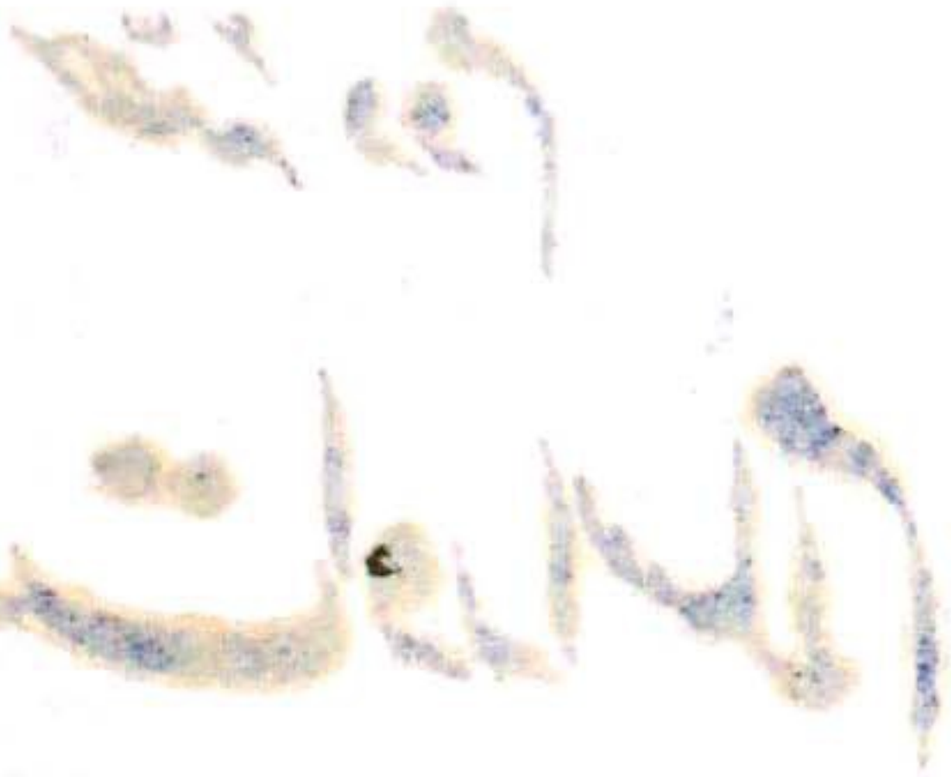

Marfat.com

پہلا باب

عہدِ نبوی میں نظامِ حکومت

[۱۔ قضاءِ نبوی ——— ۲۔ کیا رسولِ کریمؐ نے کسی کو عہدۂ قضا سپرد کیا تھا؟ ———
۳۔ حضرت عمرؓ کی خدمات قاضی کی حیثیت سے ——— ۴۔ حضرت علیؓ بحیثیت قاضی
——— ۵۔ معاذؓ و ابوموسیٰؓ بحیثیت قاضی ——— ۶۔ عہدِ نبوی کے نظامِ قضا
میں تحقیق کی مشکلات ——— ۷۔ عہدِ نبوی حکومت کے آثار سے خالی ہے۔
۸۔ عام مؤرخین کی نبوی نظامِ حکومت کی بحث سے کنارہ کشی ——— ۹۔ کیا محمد صلعم
بادشاہ تھے؟]

(۱) جب ہم عہدِ نبوی کی تاریخ قضا پر بحث کرتے ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت کی قضاء کے احوال ابہام سے خالی نہیں جن کی وجہ سے تحقیق مشکل ہو جاتی ہے اور ان کے باعث کسی ایسی پختہ رائے تک پہنچنا آسان نہیں جسے علم صحیح سمجھے اور جس سے محقق کا دل خوش ہو۔

اس میں شک نہیں کہ محکمۂ قضاء "تنازعات کے فیصلے اور ان کی تشریح" کے معنوں

Marfat.com

میں عہد نبوی میں موجود تھا جس طرح وہ اسلام سے پہلے بھی عرب وغیرہ میں موجود تھا۔ آنحضرتؐ کے پاس اکثر جھگڑے فیصلے کے لئے لائے جاتے تھے اور آپ اُنھیں چکاتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لاتے ہو، ممکن ہے تم میں سے کوئی اپنی بلاغت اور فصاحت سے دوسرے پر سبقت لے جائے، تو اگر میں اس شخص کے قول کے مطابق اس کے حق میں اس کے بھائی کے خلاف فیصلہ دے دوں تو یاد رہے کہ وہ شخص اپنے لئے دوزخ میں جگہ مخصوص کر رہا ہے، اُسے ہرگز یہ قبول نہیں کرنی چاہیئے" [۱]

تاریخ میں آپؐ کے ایسے فیصلے محفوظ ہیں جو آپؐ مختلف قضایا میں دیا کرتے تھے لیکن اگر ہم ان سے آپؐ کے نظامِ قضاء کے بارے میں کوئی چیز معلوم کرنا چاہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ استنباط آسان نہیں بلکہ غیر ممکن ہے۔ کیونکہ قضاءِ نبوی سے متعلق جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں وہ اس قضاء کی کوئی واضح صورت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ان سے تو یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آنحضرتؐ کا نظامِ قضا کیا تھا ـــــ اگر آپؐ کا واقعی کوئی ایسا نظام تھا۔

(۲) ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبوی کی قضا کا حال ہر لحاظ سے بہت تاریک اور مبہم ہے، یہاں تک کہ محققین کے لئے یہ تک معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے علاوہ کسی اور کو عہدۂ قضاء سپرد کیا تھا یا نہیں، یہاں آپؐ کے صحابہؓ میں سے تین ایسے ہیں جن کے بارے میں علماء کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ اُنھیں عہدِ نبوی میں عہدۂ قضا سپرد کیا گیا تھا، بعض کہتے ہیں: "آنحضرتؐ نے عہدۂ قضا حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت معاذؓ بن جبل کے سپرد کیا تھا" [۲] ضروری ہے کہ ان کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بھی شامل

---

[۱] صحیح بخاری: کتاب الشہادات، جلد (۳)، صفحہ (۸۰)۔ [۲] رفاعہ بک رافع: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کر لیا جائے کیونکہ وہ اپنے عمل میں ـــــ جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے ـــــ حضرت معاذؓ کی پوری پوری نظیر تھے۔

(۳) جہاں تک عہد نبوی میں حضرت عمرؓ کے عہدۂ قضا پر متمکن ہونے کا تعلق ہے تاریخی لحاظ سے یہ روایت ضعیف اور عجیب ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ محض نتیجۃً پیش کی گئی ہے [۳] کیونکہ سُنن ترمذی [۴] میں آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا: "جاؤ اور لوگوں میں فیصلے کرو (یا عہدۂ قضاء سنبھالو)" اُنھوں نے کہا: "امیر المؤمنین! مجھے اس سے معاف رکھئے"۔ حضرت عثمانؓ نے پُوچھا: "تمھیں یہ بات کیوں ناپسند ہے حالانکہ تمھارا باپ فیصلے کیا کرتا تھا"۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا: "وہ فیصلے تو کیا کرتے تھے لیکن اگر انھیں کوئی مشکل پڑ جاتی تھی تو وہ رسولِ کریمؐ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور اگر حضورؐ پر بھی مشکل ہوتا تھا تو وہ جبریلؑ سے پُوچھ لیتے تھے لیکن مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس سے میں پوچھوں"۔

(۴) اور جہاں تک حضرت علیؓ بن ابی طالب کا تعلق ہے آنحضرتؐ نے انھیں جوانی کے زمانے میں یمن کا قاضی مقرر کیا تھا ..... ابوداؤدؒ نے علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: "رسولِ کریم نے مجھے یمن میں قاضی بنا کر بھیجا تھا اور اس وقت میں جوان تھا اور مجھے قضاء کا کوئی علم نہ تھا لیکن آپ نے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ: ۲) "نھایۃ الایجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز" صفحہ ۴۲۹ (منقول از کتاب "تخریج الدلالات السمعیۃ")۔ [۳]:۔ ایضاً صفحہ ۴۲۹۔

[۴]: ابوعیسیٰ الترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) آپ کا مجموعۂ احادیث ان چار مجموعوں میں سے ایک ہے جنھیں "سُنن" کہا جاتا ہے، ابوداؤد، جن کا ذکر تھوڑی دیر بعد آتا ہے، (متوفی ۲۷۵ھ) بھی ایک "سنن" کے جامع ہیں، یہ کتابیں "صحیح" بخاری (متوفی ۲۵۷ھ) اور "صحیح مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) سے کم مستند سمجھی جاتی ہیں۔ [مترجم]

Marfat.com

فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ ضرور تمہارے دل کی رہنمائی کرے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا۔ اس لئے جب بھی دو فریق تمہارے سامنے پیش ہوں تو اس وقت تک فیصلہ نہ دو جب تک تم ایک کی طرح دوسرے کی بات بھی پوری طرح نہ سن لو، یہ بات فیصلہ دینے کے لئے بہت اہم اور ضروری ہے۔" اس لئے میں جب تک قاضی رہا مجھے قضاء میں کبھی کوئی دشواری اور تردّد نہ ہوا۔" یہ بات ابوعمرو بن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں بیان کی ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ "رسول کریمؐ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: علیؓ بن ابی طالب سب سے بہتر قاضی تھے۔"

بخاری میں اسی موضوع سے متعلق آیا ہے [۵] کہ آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع سے قبل خالد بن ولیدؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ یمن کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے خالدؓ کی جگہ حضرت علیؓ کو خمس وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ محاصل کی وصولی کے بعد حضرت علیؓ یمن سے مکہ پہنچ گئے اور نبی کریمؐ اس وقت وہیں تھے۔

علی بن برہان الدین الحلبی نے ذکر کیا ہے [۶] کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ایک سریّہ میں یمن کی طرف بھیجا اور تمام کا تمام ہمدان ایک ہی دن میں اسلام لے آیا۔ آپ نے اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو دی۔ جب آپؐ نے وہ خط دیکھا تو سجدہ میں گر گئے۔ اس کے بعد آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا "اہلِ ہمدان پر سلامتی ہو!" اہلِ یمن نے اس کے فوراً ہی بعد اسلام قبول کر لیا۔ یہ پہلا سریّہ تھا۔ دوسرا سریّہ وہ تھا جس میں آپؐ نے حضرت علیؓ کو ارضِ یمن کے بلادِ مذحج میں تین سو سواروں

---

[۵]: صحیح بخاری: جزو ۵، صفحہ ۱۶۱ - ۱۶۲ — "حجۃ الوداع سے قبل علی ابن ابی طالبؓ اور خالد بن ولیدؓ کی یمن کی طرف روانگی"۔

[۶]: دیکھئے "سیرۃ حلبیّۃ" جلد (۳)، صفحہ (۲۲۷ - ۲۲۸)۔

Marfat.com

کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ آپؐ نے ان سے جنگ کی ..... مالِ غنیمت جمع کیا...
اس کے بعد حضرت علیؓ واپس آگئے اور آنحضرتؐ سے مکہ میں ملے اور انھیں خمس
پیش کیا، آپؐ وہاں حجۃ الوداع کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے (الخ)

(۵) "حضرت معاذؓ بن جبل کو آنحضرتؐ نے قاضی مقرر کر کے یمن کے علاقے
میں الجند [۷] کی طرف بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور احکام و شرائع اسلام
سکھائیں اور ان میں فیصلے بھی کریں۔ آپ نے یمن کے صدقات کی وصولی بھی انہیں
کے ذمے لگائی تھی۔ یہ فتح مکہ کے سال (۸ھ) میں پیش آیا۔" [۸]،

بخاری میں اس موضوع پر مذکور ہے [۹] کہ "آنحضرتؐ نے ابو موسیٰؓ اور
معاذؓ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا۔ ان دونوں کو الگ الگ صوبے پر مقرر کیا تھا۔
اس لئے کہ یمن کے دو صوبے ہیں اور آپؐ نے فرمایا تھا: "آسانی پیدا کرو اور مشکل
نہ بناؤ، انھیں خوش خبری دو اور متنفر نہ کرو۔" بخاری کی ایک اور حدیث میں مذکور
ہے کہ آنحضرتؐ نے معاذؓ بن جبل سے فرمایا۔ "عنقریب تم اہل کتاب میں سے
بعض لوگوں سے ملو گے، جب ایسا ہو تو تم یہ شہادت دینے کی دعوت دو کہ لَآ
اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، اگر وہ اس پر تمھاری اطاعت کر لیں
تو انھیں بتاؤ کہ اللہ نے دن اور رات میں پانچ نمازیں ان پر فرض کی ہیں۔ اگر
یہ بھی مان لیں تو ان سے کہو کہ خدا نے ان پر صدقہ مقرر کیا ہے جو امیروں سے لے کر
غریبوں کو دیا جاتا ہے۔ اگر وہ یہ بھی مان لیں تو خبردار! ان کے عمدہ اور قیمتی مال
کو ہاتھ نہ لگانا، اور مظلوم کی بد دعا سے بچنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب

---

[۷] الجَنَد: جیم اور نون کے فتحہ کے ساتھ، یمن کا ایک علاقہ۔

[۸] "نهاية الايجاز"۔

[۹] صحیح بخاری: جلد (۵)، صفحہ (۱۶۳ - ۱۶۱)۔

Marfat.com

نہیں ۔

سید احمد زینی دحلان نے "سیرۃ نبویہ" [۱۰] میں جو روایت بیان کی ہے وہ بھی اسی طرح ہے، اس نے کہا ہے: "آنحضرتؐ نے حجۃ الوداع سے کچھ ہی دیر پہلے سنہ ۱۰ھ میں (بعض نو ہجری کہتے ہیں اور بعض فتح مکہ کا سال یعنی سنہ ۸ھ کہتے ہیں) ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذؓ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کیا، ان میں ہر ایک الگ صوبے پر مقرر رہا۔ معاذؓ کو عدن کی طرف کا بالائی حصہ ملا تھا اور اس کے عمل میں الجند تھا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ کو زیریں حصہ ملا تھا۔"

احمد اور ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے [۱۱] حارث بن عمرو مغیرہ بن شعبہؓ کے بھتیجے، سے اسناد کے بغیر یہ حدیث بیان کی ہے، حارث نے کہا: "معاذؓ کے بعض اصحاب نے ہم سے اس طرح بیان کیا گویا معاذؓ نے خود ان سے کہا کہ جب آنحضرتؐ نے انھیں یمن کی طرف روانہ کیا، تو آپؐ نے پوچھا: "اگر تمھیں عہدۂ قضا پیش کیا جائے تو تم کس طرح قضایا کا فیصلہ کرو گے؟" معاذؓ نے کہا: "کتاب اللہ سے" آپؐ نے پوچھا: "اگر تمھیں کتاب اللہ سے کوئی چیز نہ ملے تو؟" معاذؓ نے جواب دیا: "تو پھر سنتِ رسول کی روشنی میں"، آپؐ نے پھر پوچھا: "لیکن اگر تمھیں قرآن اور سنت دونوں میں کوئی حکم نہ ملے تو؟" کہا "تو پھر میں اپنی رائے کو استعمال کروں گا اور اس میں سرمو سستی نہ کروں گا"، اس پر آنحضرتؐ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: "خدا کا شکر ہے جس نے رسولِ خدا کے سفیر کو یہ توفیق دی کہ وہ اس بات سے متفق ہے جس پر میں

---

[۱۰]: یہ کتاب "سیرۃ حلبیۃ" کے حاشیے پر چھپی ہوئی ہے، جلد (۲) صفحہ (۳۶۸ — ۳۶۷)

[۱۱]: منقول از "کتاب ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول" از شوکانی صفحہ ۱۸۲۔ اس کے مؤلف محمد بن علی بن محمد الشوکانی (متوفی: سنہ ۱۲۵۵ھ) نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ "اس حدیث کے اسناد کی بحث طویل ہے لیکن یہ کہا گیا ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہیں جو منقول ہیں"

Marfat.com

راضی ہوں۔"

(۶) یہ مختلف روایات ہیں جنہیں ہم نے آپ کے طور پر پیش کیا ہے، آپ ہی دیکھئے کہ ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرنا کہاں تک ممکن ہے اس لئے کہ یہ عہد نبوی کے احوال قضاۃ کا کچھ زیادہ احاطہ نہیں کرتیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ ایک ہی واقعے کے بارے میں روایات کس قدر مختلف ہیں۔ ایک یہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا تھا اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ انھیں زکوٰۃ میں سے خمس وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اسی طرح معاذؓ بن جبل کے بارے میں ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ انھیں قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا، دوسرا کہتا ہے قاضی بنا کر اور تیسرا کہتا ہے معلّم بنا کر۔

صاحب "سیرۃ نبویّۃ" [۱۲] نے اس بات کے متعلق کہ معاذؓ قاضی تھے یا والی، مختلف رائے دی ہے: "ابن عبدالبرّ نے کہا کہ وہ قاضی تھے۔ غسّانی کہتا ہے کہ وہ محاصل کی وصولی پر امیر مقرر کئے گئے تھے۔ ابن میمون کی صریح حدیث یہ ہے کہ وہ امیرِ صلوٰۃ (امام) بنا کر بھیجے گئے تھے، اور یہ بات اس نظریہ کی تائید کرتی ہے کہ وہ والی تھے۔"

(۷) عہدِ نبوی میں عہدۂ قضا کیسا تھا؟ یہ عمیق بحث، اس میں طویل غور و فکر اور اُن احادیث و واقعات کا، جو ہم نے اس موضوع پر بیان کی ہیں، اچھّی طرح سے سمجھنا ہمیں ایک اور بحث کی طرف لے جاتا ہے، یعنی عہد نبوی میں اسلامی نظامِ حکومت کیا تھا اور اس اسلامی حکومت کی تنظیم اور بندوبست کی کیفیت کیا تھی ——— اگر درحقیقت ہم یہ مناسب سمجھیں کہ ان تمام ممالک کو جنھیں خدا نے اپنے نبیؐ کے زیرِ نگین

---

[۱۲]: دیکھئے: "السیرۃ النبویّۃ" از دحلان، جو "السیرۃ الحلبیّۃ" کے حاشیے پر چھپی ہوئی ہے، صفحہ ۲۶۸، جلد (۲)

Marfat.com

کر دیا تھا ملک و سلطنت تصور کریں۔

یہ مطالعہ اس لئے ضروری ہے کہ عہد نبوی کے نظامِ قضا پر بحث کرتے ہوئے ہمیں یہ معلوم ہوا تھا کہ قضاء کے علاوہ دُوسرے اُمور بھی مثلاً اعمالِ حکومت اور اس کے بُنیادی فرائض ایک ایسی واضح صُورت میں جس میں کوئی ابہام نہ ہو آنحضرتؐ کے زمانے میں موجود نہ تھے تاکہ کسی منصف مزاج محقق کے لئے اس رائے کا حامی ہونا آسان ہو جائے کہ آنحضرتؐ نے ان بلاد میں، جو خدا نے آپ کے زیرِ نگین کئے تھے، ان کے اُمور کی تدبیر، احوال کی نگرانی اور ضبطِ حکومت کے لئے کوئی والی یا عامل مقرر نہ کئے تھے، جو کچھ روایت کیا جاتا ہے وہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ میں سے امیرِ لشکر یا عاملِ مال، یا امامِ صلوٰۃ، یا معلّمِ قرآن یا داعی اسلام مقرر کئے تھے، ہمیں اس میں کوئی عام اصول نہیں ملتا بلکہ یہ سب کچھ ایک خاص اور محدود وقت کے لئے تھا۔ جیسے کہ آپؐ سفارت اور سرایا کے لئے لوگوں کو مقرر فرماتے تھے، یا جب آپؐ غزا کے لئے نکلتے تھے تو اپنے پیچھے مدینہ میں کسی کو اپنا قائمقام اور خلیفہ بنا جایا کرتے تھے۔

اگر ہم قضا اور ولایت سے دُوسرے شعبوں کی طرف بڑھیں جن کے بغیر ریاست (حکومت) کے معنوں تکمیل نہیں ہوتی ——— مثلاً وہ امور جو آمدنی اور مصارف (مالیہ) یا جان و مال کی حفاظت (پولیس اور فوج) یا اور دُوسرے امور جن کے بغیر کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور معمولی ترین حکومت بھی قائم نہیں ہو سکتی ——— تو ہمیں یہ پختہ یقین ہو جاتا ہے کہ عہدِ رسالت میں اس قسم کی کوئی واضح چیز موجود نہ تھی، ہمیں کوئی ایسی شے نہیں ملتی کہ ہم پُورے وثوق اور یقین سے یہ کہہ سکیں کہ یہ نبوی نظامِ حکومت تھا۔

(۸) اس موضوع کے بارے میں (جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے) یہ معمول ہو گیا ہے کہ اکثر مؤلفین (خاص طور پر راویانِ اخبار و واقعات) جب کبھی کسی خلیفہ یا بادشاہ کے

Marfat.com

سوانح یا ان کے عمال و حکام، اعیانِ حکومت اور والیوں اور قضاۃ کے بارے میں کچھ لکھتے ہیں تو وہ اس پر مکمّل اور مفصّل بحث کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ علمی لحاظ سے اس بحث کی مناسب قدر و قیمت سے آگاہ ہیں اور اس لیئے وہ اس میں خاصی محنت و تحقیق کرتے ہیں لیکن جب وہ تاریخ نبوی پر بحث کرتے ہیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ وہ واقعات کو مرتّب کرنے کی بجائے بات کو آہستہ آہستہ توڑ مروڑ کر رکھ دیتے ہیں اور اس بحث کے سمندر میں اس طرح سے غوطہ زنی کرتے ہیں جو دوسرے ادوار کی بحث سے قطعاً مماثل نہیں ہوتی۔ ہم نے کسی مؤرّخ کو شاذونادر ہی اس سے مختلف دیکھا ہے بجز اس کے جو آگے چل کر ہم رفاعہ بک رافع الطہطاوی [۱۳] کی کتاب " نہایۃ الایجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز" سے نقل کریں گے۔ (جو انہوں نے کتاب "تخریج الدلالات السمعیۃ" سے لیا ہے)۔

(۹) ہم عہد نبوی کے احوالِ قضا یا غیر قضاء (مثلاً اعمالِ حکومت، انواعِ ولایت وغیرہ) پر جتنا بھی غور کرتے ہیں اس بحث میں ابہام اور بھی بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس کا راز اور بھی گہرا ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ حیرتِ فکر ہمیں ایک بحث سے دوسری بحث اور ایک ابہام سے دوسرے ابہام کی طرف لے جاتی ہے اور ہماری نظر ہمیں اس وسیع و بے نام میدان کی انتہا تک لے جا کر چھوڑ دیتی ہے، اور پھر ہمیں ایک ایسا پیچیدہ مسئلہ درپیش آ جاتا ہے جو تمام سابقہ مسائل سے عظیم تر ہے اور جو ہماری حیرت اور پریشانی کا سبب ہے۔ یہی اصل ہے اور باقی سب فروع۔ یہی قائد ہے اور باقی سب تابع۔ یہ وہ مشکل ہے کہ اگر عقل اسے حل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو باقی سب مشکلات ہیچ ثابت ہوں اور تمام ابہام و شبہات خود بخود رفع ہو جائیں۔

---

[۱۳]: رفاعہ بن بدوی بن علی بن محمد بن علی بن رافع، ان کا سلسلہ نسب امام محمد باقرؒ بن علی زین العابدینؒ سے جا ملتا ہے۔ (متوفی ۱۲۹۰ھ) (از کتاب: "اکتفاء القنوع")۔

Marfat.com

ہم آپ کو اس مسئلے کے قریب لئے چلتے ہیں۔ لیکن ہم ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور دُوسرا پیچھے ہٹا لیتے ہیں۔ اوّل تو اس لئے کہ اس کا حل بہت مشکل ہے اور فکر کی لغزشیں بہت زیادہ ہیں اور اگر خدا ہی اس میں مدد گار نہ ہو تو اس کی صحت و درستی تک پہنچنے کی کیا امید ہو سکتی ہے اور کون مدد کر سکتا ہے؟ دوم اس لئے کہ اس موضوع کی تحقیق میں غور و فکر ایسے نزاع کو دعوت دیتا ہے جس کے شعلوں کو ہوا دینے والے وہ لوگ ہیں جو مذہب کو ایک جامد بُت کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتے، نہ تو عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ رائے اس کو گرفت میں لے سکتی ہے۔

لیکن ہم خدا سے استعانت کے طلبگار ہیں اور اسی سے حسنِ توفیق چاہتے ہیں کہ شاید کبھی ہم پر اس کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور اس کے قفل کھل جائیں اور ہم شاداں و فرحاں اس کی حقیقت تک پہنچ جائیں، انشاء اللہ،

تو اب مسئلہ یہ ہے: کیا رسولِ کریم صلعم ایک سیاسی ریاست کے مالک اور رئیسِ حکومت بھی تھے جس طرح کہ آپؐ دعوتِ دین کے سفیر اور وحدت دینی کے زعیم تھے یا نہیں؟

Marfat.com

دوسرا باب

رسالت اور حکومت

[۱۔ یہ تحقیق کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ نبی کریمؐ بادشاہ تھے یا نہیں؟ ——۲۔ رسالت اور ہے حکومت اور ——۳۔ یہ قول کہ آنحضرت صلعم بادشاہ بھی تھے ——۴۔ بعض علماء کی نظامِ حکومتِ نبوی کی مفصل تشریح ——۵۔ عہدِ نبوی کی حکومت کے بعض مشتبہ مظاہر ——۶۔ جہاد ——۷۔ اعمالِ مالیہ ——۸۔ وہ لوگ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے انھیں مختلف بلاد میں عامل مقرر کیا تھا۔ ——۹۔ کیا کسی سیاسی حکومت کا قیام نبوّت کا جزو تھا؟ ——۱۰۔ نبوّت اور نفاذِ احکام ——۱۱۔ ابن خلدون کی رائے کہ اسلام شریعت تبلیغی و تنفیذی ہے ——۱۲۔ اس رائے پر اعتراض ——۱۳۔ یہ قول کہ نبوی حکومت میں حکومت کی تمام تفاصیل موجود تھیں ——۱۴۔ نظامِ حکومت نبوی سے ہماری ناواقفیت کا احتمال ——۱۵۔ اس رائے پر تنقید ——۱۶۔ یہ احتمال کہ فطری سادگی ہی نظامِ حکومت نبوی تھی ——۱۷۔ اس دین کی سادگی ——۱۸۔ اس رائے پر بحث]۔

(۱) آنحضرتؐ بادشاہ تھے یا نہیں، اس بحث سے گھبرانے کی ضرورت نہیں نہ یہ سمجھیے کہ یہ بحث دین کے لئے خطرناک ہے جس سے محقّق کے ایمان کو بھی خدشہ ہو، اگر آپ کی سمجھ میں آجائے تو بات اتنی خطرناک نہیں کہ وہ کسی مومن کو ایمان کے دائرے سے خارج کر دے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں کم ہے کہ وہ کسی متقی کو تقویٰ کے دائرے سے نکال دے۔

یہ بات شاید اس لئے خطرناک اور اہم معلوم ہوتی ہے کہ یہ مقام نبوّت سے قریب ہے اور مرکز رسولؐ سے متعلّق ہے، لیکن اس کے باوجود جوہر دین یا ارکان اسلام سے اس کا کوئی تعلّق نہیں۔ ممکن ہے ایک لحاظ سے یہ بحث اسلام میں بالکل نئی ہو جیسے اس سے پہلے مسلمانوں نے واضح طور پر سلجھایا ہی نہیں اور نہ علماء ہی نے اس میں کوئی صریح رائے پیش کی ہے، اس صورت میں یہ کوئی بدعت نہیں اور نہ مسلمانوں کے مختلف مذاہب کے مخالف ہے کہ کوئی محقق یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ رسول کریمؐ نبی تھے یا بادشاہ۔ یہ بدعت ہے نہ جدّت کہ کوئی مخالف اس کے خلاف ہو، کیونکہ یہ بحث ان عقائد دینیّہ کے دائرے سے خارج ہے جن سے علماء متعارف ہیں اور جن میں ان کی رائیں متعیّن ہو چکی ہیں۔ اس لئے یہ دین کے باب سے زیادہ علمی بحث کے باب میں داخل ہے اور زیادہ اہم ہے۔ اس لئے ڈرنے کی ضرورت نہیں ——— "إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ" (سورہ القصص ۳۱ : ۲۸)

(۲) آپ جانتے ہیں کہ رسالت بادشاہت سے مختلف ہے اور ان دونوں میں کوئی بات بھی مشترک نہیں۔ کیونکہ رسالت الگ مقام ہے اور بادشاہت الگ۔ کتنے بادشاہ ہیں جو نہ نبی ہیں نہ رسول، اور کتنے ہی نبی ایسے ہیں جو بادشاہ نہیں بلکہ ہم جتنے انبیاء کو جانتے ہیں ان میں سے بیشتر صرف رسول ہی تھے۔

حضرت عیسیٰ بن مریمؑ دعوت مسیحی کے رسول تھے اور عیسائیوں کے زعیم۔ اس کے

Marfat.com

باوجود وہ اطاعت قیصر کی دعوت دیتے تھے اور اس کی طاقت کا اعتراف کرنے کو کہتے تھے یہ وہی تھے جنھوں نے اپنے پیروؤں کو یہ بالغ حکم دیا کہ "قیصر کو وہ دے دو جو قیصر کا ہے، اور اللہ کو اللہ کا" [۱]

حضرت یوسف بن یعقوبؑ، ریّان بن الولید فرعونِ مصر کے عاملوں میں سے ایک عامل تھے اور ان کے بعد جو آئے وہ قابوس بن مصعب کے عامل تھے [۲]۔

اسی طرح ہم چند ایک کے سوا بہت کم ایسے رسولوں کو جانتے ہیں جن کی ذات میں خدا نے نبوّت اور بادشاہت جمع کر دی تھی۔ تو کیا محمدؐ ان انبیاء میں سے تھے جن کے پاس نبوّت اور بادشاہت دونوں تھیں، یا وہ صرف رسُول تھے؟

(۴)، جہاں تک ہمیں معلوم ہے ہم علماء میں سے کسی کو نہیں جانتے جس نے اس موضوع پر اپنی واضح رائے پیش کی ہو یا جس نے اس پر کوئی واضح بیان دیا ہو لیکن طریقۂ استنتاج (BY WAY OF INFERENCE) کے طور پر ہمارے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ عام مسلمان غالباً اس اعتقاد کا حامل ہے کہ آنحضرتؐ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی، اور انھوں نے اسلام میں ایک سیاسی مدنی حکومت کی بُنیاد رکھی تھی جس کے وہ بادشاہ بھی تھے اور سردار بھی۔ شاید یہ وہ رائے ہے جسے مسلمانوں کا عام ذوق پسند کرتا ہے اور جس کا فی الجملہ ان کے احوال سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ شاید یہ مسلمانوں میں سے عام علماء کی رائے بھی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس موضوع پر ان سے کوئی بات کہی جاتی ہے تو وہ یہ ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ اسلام ایک وحدتِ سیاسی ہے اور ایک حکومت ہے جس کی بُنیاد آنحضرتؐ نے رکھی تھی۔

ابن خلدون "مقدمہ" میں اسی رائے کا حامی ہے کیونکہ اس نے خلافت کو "حفظِ دین

---

[۱]: انجیل متی: ۲۲: ۲۱۔

[۲]: دیکھئے تاریخ ابوالفداء، جلد (۱)، صفحہ (۱۷)۔

Marfat.com

اور سیاستِ دُنیا میں صاحب شرع (یعنی آنحضرتؐ) کی نیابت" بنایا ہے، جو حکومت یا سلطنت پر حاوی ہے اور حکومت اُس کے ماتحت آتی ہے (الخ) [۳]

(۴) رفاعہ بک رافع مرحوم نے کتاب" تخریج الدّلالات السّمعیّۃ" سے جو کچھ نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے وہ واضح رائے ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ صریح ہے۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے اس کا ملخّص یہ ہے [۴]: " وہ شخص جس کے قدم علوم و معارف میں راسخ نہیں ہیں اور جن کے پاس مفتّش کے آلات میں سے اس کے اپنے ہاتھ اور قلم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ اکثر اعمال سلطانیہ بدعت ہیں نہ کہ منقول و ماخوذ۔ اس کے خیال میں جو عامل دنیاوی امور کا نگران ہے وہ کسی اچھّے عہدے پر مامور نہیں ہے بلکہ یہ کہ اس کا عہدہ بہت حقیر ہے۔ اسی لئے میں نے ایک کتاب میں ان تمام عہدوں کو جمع کر دیا ہے تاکہ جسے معلوم نہیں وہ جان لے، میں نے اس میں ہر اس عہدے کا ذکر کیا ہے جس پر آنحضرتؐ نے اپنے صحابہؓ کو مقرّر کیا تھا تاکہ ہر وہ شخص جو اس عہدے سے متعلّق ہے جان لے اور خُدا کا شکر ادا کرے کہ اسے شرعی کام میں لگایا گیا ہے، جن پر وہ صحابہؓ مقرّر ہوتے تھے جنہیں آنحضرتؐ پسند فرماتے تھے، اور جن عہدوں پر آپ (صلعم) اپنے دوستوں کو نائب بناتے تھے۔"

اس نے بعد رفاعہ بک نے مختلف خصوصی و عمومی شعبوں اور حکومت کے عہدوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً شہری، داخلی اور جہادی محکمے جن سے سلطنتِ اسلامی کا نظام عبارت ہے اور جن سے مختلف صنعتیں اور حرفتیں، جو شریعت میں معروف ہیں، متعلّق ہیں، جس طرح کہ وہ آنحضرتؐ کے عہد میں تھیں۔ اس میں اس نے آنحضرتؐ کے خاص اعمال کا اور ان ابتدائی اہم اعمال کا جو امامتِ عظمیٰ سے متعلّق ہیں، باہم مقابلہ کیا ہے مثلاً

---

[۳]: ابن خلدون ــــ "مقدمہ" فصل فی الخطط الدینیۃ الخلافیۃ، صفحہ ۲۰۸ اور دیگر۔

[۴]: "نھایۃ الإیجاز فی سیرۃ ساکن الحجاز" صفحہ (۳۵۰)

Marfat.com

وزارت حجابت، اور ولایت بُدُن [۵] اور سقایہ [۶] اور کتابت (سیکریٹری شپ)۔ اس کے علاوہ وہ اعمال بھی بتائے ہیں جو فنی عہدوں سے متعلّق ہیں مثلاً معلّمِ قرآن، معلّم کتابت، معلّم فقہ، مفتی، امامِ نماز اور مؤذّن ..... اس کے بعد اس نے ترجمان، لشکر کے منشی عطا، (فوجیوں کے مشاہرے) دیوان اور زمام (فوجیوں کا ضبط اور نگرانی) کے عہدوں کا ذکر کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ دیوان کے عہدے کی ابتداء دراصل آنحضرتؐ کے عہد سے ہوئی۔ اس کے بعد اس نے عام نظم ونسق سے متعلّق عہدوں کا ذکر کیا ہے مثلاً قرب وجوار اور نواح میں امارتِ عامّہ، قضاء اور اس سے متعلّق امور مثلاً گواہوں کی پیشی شرائط، معاہدے، ورثہ اور نفقے کی کتابت وغیرہ، تقسیم کنندگانِ وراثت حفاظت کے لئے ناظرِ تعمیرات، محتسب، منادی کرنے والے شہر کی حفاظت کے ذمّہ دار، اہل شہر کے جاسوس، جیلر اور سزا دینے والے۔ اس کے بعد اس نے ایک ایک کر کے اعمالِ حکومت بیان کئے ہیں اور کوئی بات نہیں چھوڑی۔ اس کے بعد رقاعہ یک نے کہا کہ "یہ وہ چیز ہے جس پر سیرت کی کتابوں کے اکثر بلکہ سب کے سب مصنّفین قادر نہیں ہو سکے۔"

(۵) اس میں شک نہیں کہ حکومت نبوی میں بعض ایسی باتیں موجود تھیں جو حکومتِ سیاسی، علاماتِ سلطنت اور حکومت کے مظاہرے سے ملتی جلتی ہیں۔

(۶) ان ملکی معاملات میں سے، جو آنحضرتؐ کے عہد میں نظر آتے ہیں، جو بات سب سے پہلے ذہن میں آتی ہے۔ وہ مسئلہ جہاد ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنے دین کی خاطر اپنے ہم قوم مخالفین سے جنگ کی، ان کے علاقوں کو فتح کیا، ان کے مال سے مالِ غنیمت حاصل کیا، اور ان کے مردوں اور عورتوں کو قیدی بنایا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ آپؐ

---

[۵]: بُدُن کا واحد "بُدنہ" ہے۔ یہ وہ گائے یا اُونٹ ہے جو مکّہ میں ذبح کیا جائے۔ (آنحضرتؐ کسی صحابی کو قربانی کے لئے لائے جانے والے جانوروں کا نگران مقرر فرما دیتے تھے)۔

[۶] سقایۂ حجّاج، یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت۔

Marfat.com

کی نظر جزیرہ عرب سے بھی ماورا تھی اور آپ نے اپنے عساکر کو اقطارِ ارض میں پھیلانا شروع کر دیا تھا اور مغرب میں رومیوں کی سلطنت کو ختم کرنا شروع کیا تھا [۷] ، اور مشرق میں آپؐ نے ایران کے کسریٰ کو اسلام لانے کی دعوت دی تھی ، اسی طرح حبشہ کے نجاشی اور مصر کے مقوقس کو۔

پہلی ہی نظر میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جہاد نہ تو تنہا دین کی طرف بُلانے کے لئے ہے اور نہ لوگوں کو خُدا اور رسولؐ پر ایمان لانے پر مجبور کرنے کے لئے۔ بلکہ یہ حکومت کے ثبات و قیام اور ملک کی توسیع کے لئے ہے۔

دین کی دعوت خدا کی طرف دعوت ہے ، یہ دعوت صرف تبلیغ پر اور دلوں کو متاثر اور مائل کرنے پر قائم ہے ، اس لئے قوت و جبر اس دعوت کے لئے موزوں نہیں ہیں جس کی غرض ہدایت قلوب اور عقائد کی تطہیر ہو۔ ہم تاریخ انبیاء میں کسی ایک نبی کو بھی ایسا نہیں پاتے جس نے تلوار کے زور سے لوگوں کو خدا پر ایمان لانے پر مجبور کیا ہو اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جس نے کسی قوم سے اپنے دین کی صداقت منوانے کی خاطر جنگ کی ہو۔ یہی وہ اصول ہیں جن کی تصدیق و تائید نبی کریمؐ نے فرمائی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

"لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ، قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" [۸]

(دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے ، بے شک ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔)

اور اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

(اپنے رب کے راستے کی طرف دانش مندی اور عمدہ نصیحت سے بلا اور ان کے لئے

---

[۷] : یہ غزوہ موتہ اور سریہ اسامہ بن زید کی طرف اشارہ ہے۔

[۸] : سورۃ "البقرۃ" : (۲) آیت (۲۵۶)

Marfat.com

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" [٩]

پسندیدہ طریقے سے بحث کر]

اور: "فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" [١٠]

(پس آپ نصیحت کیجیے بیشک آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں آپ ان پر کوئی داروغہ

نہیں ہیں]

اور: فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ، وَقُلْ

پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑا کریں تو ان سے کہہ دے کہ میں نے اپنا منہ اللہ کے حکم کے تابع کیا ہے اور

لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ؟ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ

ان لوگوں نے بھی جو میرے ساتھ ہیں، اور ان لوگوں سے کہہ دے جنھیں کتاب دی گئی ہے اور ان پڑھوں سے آیا تم بھی تابع

اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ، وَاللَّهُ بَصِيرٌ

ہو گئے ہو؛ پھر اگر وہ تابع ہو گئے تو انھوں نے بھی سیدھی راہ پالی اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو تیرے ذمے فقط

بِالْعِبَادِ" [١١]

پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے)

اور پھر: "أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ" [١٢]

(پھر کیا تم لوگوں پر زبردستی کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں ؟)

یہ وہ واضح ہدایات ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی رسالت ان کے بھائیوں (یعنی دوسرے انبیاءؑ) کی رسالت ہی کی طرح تھی۔ وہ وعظ و بیان اور تالیف قلوب

---

[٩]: سورۃ "النحل": (١٦) آیت (١٢٥)۔

[١٠]: سورۃ "الغاشیۃ": (٨٨) آیت (٢٢-٢١)۔

[١١]: سورۃ "آل عمران": (٣) آیت (٢٠)۔

[١٢]: سورۃ "یونس": (١٠) آیت (٩٩)۔

Marfat.com

پر مبنی تھی نہ کہ قوت و جبر پر، اور اگر کبھی آنحضرتؐ کو طاقت اور قوت استعمال کرنے کی ضرورت پڑ گئی تھی تو وہ دعوتِ دین کے لئے یا اپنی رسالت کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے نہ تھی۔ اس سے یہی مفہوم لیا جا سکتا ہے کہ وہ حکومت کے قیام اور اسلامی ریاست کی تاسیس کی خاطر تھی۔ حکومت تو تلوار یا قہر و غلبے کے سوا قائم نہیں ہوتی یہی خلافت کے حامیوں کے نزدیک جہاد کا راز ہے، جیسا کہ آنحضرتؐ کا عمل تھا اور یہی اس کے معنی ہیں۔

(۷) ہم نے کہا ہے کہ جہاد دولتِ اسلامیہ کے نشانات میں سے ایک نشان ہے اور حکومت کے کاروبار کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عہدِ نبوی میں مالی امور سے متعلق شعبے بھی تھے۔ جو آمدنی، خرچ اور مختلف مدات سے مال جمع کرنے کے ذمہ دار تھے۔ مثلاً زکوٰۃ، جزیہ، مالِ غنیمت وغیرہ کو جمع کرنا اور ان کو مختلف مصارف میں تقسیم کرنا۔ آنحضرتؐ نے ان کاموں کی نگرانی کے لئے ناظر (انسپکٹر) اور محصّل (ٹیکس کلکٹر) بھی مقرر کر رکھے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تدبیرِ مال حکومت کے [illegible] ہے بلکہ حکومت کے بعض اہم شعبوں میں سے ہے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ نبوت کے منصب سے (جیسا کہ وہ ہے) خارج ہے اور بحیثیتِ رسول دنبی انبیاء اور رسولوں کے کام سے بعید ہے۔

(۸) اس کی سب سے قوی مثال وہ ہے جو اس بارے میں طبری نے اسناد سے بیان کی ہے کہ جب آنحضرتؐ نے امارتِ یمن کی طرف توجہ کی اور اسے مختلف اشخاص میں بانٹ دیا تو آپ نے ہر شخص کے لئے ایک خاص علاقہ مخصوص کر دیا۔ آپؐ نے عمرو بن حزم کو نجران، خالد بن سعید بن العاص کو اس علاقے پر جو نجران رمع اور زبید کے درمیان واقع تھا، عامر بن شہر کو ہمدان، ابنِ باذام کو صنعاء، طاہر بن ابی ہالہ کو عک اور اشعریین، ابو موسیٰ اشعری کو مارب اور یعلیٰ بن ابی امیہ کو

جند پر مقرر فرمایا۔ معاذؓ کو آپ نے معلم مقرر فرمایا تھا جو یمن اور حضر موت میں ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں دورہ کرتے رہتے تھے [۱۳]

یہاں ہمیں عہد نبوی کے اور بھی بہت سے واقعات ملتے ہیں جنھیں ہم نے بیان نہیں کیا جو حکومت کے آثار اور سلطنت کے مظاہر کو واضح کرتے ہیں۔ جو شخص ان پر اس رُخ سے نظر ڈالے گا وہ بھی سمجھے گا کہ آنحضرتؐ خدا کے رسول بھی تھے اور سیاسی حاکم بھی۔

(۹) اگر ہمارے بعض قارئین ان مثالوں پر اعتبار کر کے انھیں ترجیح دیں اور اس پر مطمئن ہو جائیں کہ آنحضرتؐ رسول بھی تھے اور حاکم بھی، تو اب ایک نئی بحث پیدا ہوتی ہے جس پر غور کرنا ضروری ہے۔ کیا آنحضرتؐ کی طرف سے اسلامی حکومت کا قیام، اس پر کاربند ہونا اور اس پر توجہ مبذول کرنا ایسی چیز تھی جو رسالت کی حدود سے خارج تھی، یا یہ اس منصب کا جزو تھی جس کی خاطر خدا نے آپؐ کو مبعوث کیا تھا اور آپؐ کی طرف وحی بھیجی تھی؟

مملکتِ نبوی کا دعوتِ اسلام سے الگ کوئی بات ہونا اور رسالت کی حدود سے خارج ہونا ایسی رائے ہے جس کی تائید مسلمانوں کے مختلف مذاہب سے نہیں ہوتی اور نہ ان کے کلام میں کوئی ایسی بات ملتی ہے جو اس پر دلالت کرے لیکن اس کے باوجود یہ ایسی صالح رائے ہے کہ اسے مان لینا چاہیئے۔ اور ہم نہیں سمجھتے کہ اسے کفر یا الحاد کہا جا سکتا ہے۔ بلکہ اسلام کے بعض فرقوں کا اسلام میں خلافت سے انکار

---

[۱۳]: تاریخ طبری، ج (۳) صفحہ (۲۱۴)۔ [ابوجعفر بن جریر طبری۔ طبرستان میں ۲۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۳۱۰ھ میں بغداد میں فوت ہوئے۔ شام و مصر میں علماء سے درس لیا۔ حافظ قرآن تھے، علم حدیث، قرأت اور تفسیر میں نام پیدا کیا۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں خلافتِ عباسیہ کا زوال دیکھا۔ مشہور کتاب "تاریخ الامم والملوک" کے مصنف ہیں۔ جس میں حضرت آدمؑ سے لے کر اپنی وفات سے آٹھ سال پیشتر تک کے حالات لکھے۔ مترجم)

Marfat.com

اسی رائے پہ محمول کیا جا سکتا ہے۔

شاید آپ یہ سمجھیں کہ آنحضرتؐ کا کوئی عمل مقامِ رسالت سے خارج تھا، یا وہ سلطنت جسے الھوں نے مضبوط بنایا تھا وہ دنیاوی کام تھا اور اسے رسالت سے کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ یہ ایسا قول ہے کہ اگرچہ آپ کے کان اسے سُننا پسند نہ کریں (کیونکہ اس پر چرب زبانی سے کچھ کہنا مسلمانوں کی لُغت میں کچھ غیر مانوس سا ہے) پھر بھی قواعدِ اسلام، رسالت کے معنی، روحِ شریعت اور تاریخ نبوی میں سے کوئی چیز بھی تو اس سے متصادم ہوتی ہے اور نہ اسے کوئی عجیب وغریب بات سمجھتی ہے۔ بلکہ اکثر ایسے اقوال ملتے ہیں جو ان کے لئے سند اور جواز بن جائیں۔ لیکن بہرحال یہ ایسی رائے ہے جسے ہم بہت بعید سمجھتے ہیں۔

(۱۰) یہ رائے کہ مملکت نبوی رسالت کا جزو تھی، اس میں شامل تھی اور اس کی تکمیل بھی ایسی رائے ہے کہ جسے عام مسلمان پسند کرتے ہیں اور یہ ان کے عام اسلوب کی طرف اشارہ بھی کرتی ہے اور ان کے مبادیات اور مذاہب اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ اس رائے کا عقل میں آنا ناممکن ہے۔ بجز اس کے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ رسالت کا جزو ہے کہ رسُول دعوتِ خداوندی کی تبلیغ کے بعد اسے عملی طور پر نافذ کرنے پر مامور بھی ہے یعنی یہ کہ رسُول بیک وقت مبلّغ بھی ہے اور نافذ کرنے والا بھی۔

(۱۱) بہرحال ابنِ خلدون کے سوا اُن سب نے، جنہوں نے رسالت کے معنی پر بحث کی ہے اور جن کے مباحث پر ہم نے غور کیا ہے، ہمیشہ تنفیذ کو رسالت کی حقیقت کا جزو قرار دینے سے غفلت برتی ہے، ابنِ خلدون کا کہنا ہے کہ دوسری ملتوں کے برعکس اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس میں یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دعوتِ دینی اور اس کی عملی تنفیذ باہم جمع ہیں، یہ قول اس کے "مقدمہ" میں کئی جگہ

Marfat.com

ظاہر ہے، اس کا بیان اس نے اُس فصل میں کیا ہے جس میں اس نے عیسائیوں کے پادریوں اور یہودیوں کے کاہن کے الفاظ کی شرح کی ہے، وہ کہتا ہے:

"یہ جان لینا چاہیئے کہ نبی کے بعد ملّت کا کوئی قائم مقام ضروری ہے جو انھیں احکام و شرائع کا پابند بنائے اور جو ان میں نبی کے نائب کے طور پر ہو، تاکہ مختلف فرائض کو بجا لا سکے، اور نبی نوع انسان کو بھی اجتماعِ بشری کی سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر ایسے شخص کے بغیر چارہ نہیں جو انھیں ان کی مصلحت سمجھائے اور انھیں بہ جبر برائیوں سے روکے۔ اسی کا نام بادشاہ ہے۔ اور جب کہ ملّتِ اسلامی میں دعوتِ عام کی خاطر سب کو طوعًا و کرہًا اسلام کا پابند بنانے کے لئے جہاد مشروع ہے تو اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں خلافت اور حکومت مجتمع ہیں کیونکہ طاقت انھیں دونوں باتوں پر مبنی ہے، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں نہ تو دعوتِ عام ہے اور نہ ان میں مدافعت کی غرض کے علاوہ جہاد مشروع ہے، وہ شخص جس کے ذمّے ملک میں مذہب کے اُمور ہوں اُسے ان مذاہب میں سیاستِ ملکی کے اُمور سے کوئی غرض نہیں۔ کیونکہ ان کے ذمّے ملک فتح کرنا نہیں ہے۔ ان کا مقصد صرف اندرونِ ملک میں مذہب کا قیام ہے۔"

یعنی ابنِ خلدون کا مطلب (جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں) یہ ہے کہ اسلام نہ صرف شریعت تبلیغی ہے بلکہ اسے عملی جامہ پہنانا بھی ہے، اور اس میں دوسرے مذاہب کے برخلاف حکمِ دینی اور حکمِ سیاسی مجتمع ہیں۔

(۱۲) ہمیں اس قول کا نہ تو کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ سند، اور یہ نہ صرف رسالت کے معنوں کے منافی ہے بلکہ یہ دعوتِ دینی کی طبیعت کے اقتضاء کے بھی خلاف ہے۔ اگر یہ قول صحیح ہو تو بھی ایک اور مسئلہ باقی رہ جاتا ہے جس کا حل ملنا ضروری ہے اور جس سے نکلنے کا راستہ خلافت کے حامیوں کو تلاش کرنا چاہیئے۔ یہ وہ مسئلہ

ہے جس سے ہم نے اس بحث کی ابتدا کی تھی لیکن ہم دوسری طرف چل نکلے تھے۔

اگر رسولِ کریمؐ نے واقعی کسی سیاسی مملکت کی بُنیاد رکھی تھی یا رکھنی شروع کی تھی تو سوال یہ ہے کہ ان کی ریاست کیوں حکومت کے اکثر عناصر سے عاری تھی؟ اور کیوں ہم ان کے قاضیوں اور والیوں کے تقرر کے طریقے سے ناواقف ہیں؟ آپؐ نے کیوں اپنی رعیّت کو نظامِ مملکت اور قواعدِ شوریٰ نہ بتائے تھے؟ اور کیوں آپ کے زمانے کے نظامِ حکومت کے بارے میں علماء حیرت اور اضطراب میں ہیں؟ کیوں؟ آخر کیوں؟ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس چیز کا منشا جان لیں جو دیکھنے والوں کو عہدِ نبوی میں بنائے حکومت میں ابہام، اضطراب یا نقص نظر آتی ہے یا جو آپ کا جی چاہے اسے کہہ لیجئے۔ یہ کیوں تھا اور اس کا راز کیا تھا؟

وہ لوگ جو اپنے اس اعتقاد پر مصر ہیں کہ محمدؐ صلعم ایک نئے دین کی دعوت اور ایک نئی ریاست کی بُنیاد کا ارادہ لے کر اُٹھے تھے اور جو یہ اصرار کرتے ہیں کہ وہ ریاست جس کی بنیاد آنحضرتؐ نے اُٹھائی تھی اس کے بنیادی مسائل، امور اور کاروبار وحیِ خداوندی سے طے پاتے تھے اور اسی پر اُن کا مدار تھا اور اسی سے اس کا نظام چلتا تھا، یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت ایسے کمال کی انتہا تک پہنچ گیا تھا جسے عقلِ انسانی سمجھنے سے قاصر ہے اور جس تک پہنچنے سے فکرِ انسانی عاجز ہے۔ ان لوگوں سے جب اس کا راز پُوچھا جائے جو بظاہر نظامِ حکومت میں نقص اور اس کے قواعد میں ابہام معلوم ہوتا ہے تو وہ اپنے جواب میں ان اسلوبوں میں سے کوئی اسلوب اختیار کر لیتے ہیں جنھیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱۳) "تخریج الدّلالات السّمعیّۃ" کے مصنّف نے (جس سے رفاعہ بک متفق ہیں) اس تمام جھنجھٹ سے بڑی آسانی سے خلاصی پالی ہے، اس کا خیال ہے کہ حکومتِ نبوی میں ہر وہ بات موجود تھی جو کسی ریاست کے لئے ضروری ہے مثلاً مختلف عمّال، شعبے، مضبوط نظام، محدود قواعد اور مفصّل اور مکمّل سُنن۔ اس کے بعد

نہ تو کسی نئی بات کی گنجائش ہے اور نہ کسی اضافے کی ضرورت۔
جو کچھ ہم پہلے کہہ چکے ہیں شاید اس کی موجودگی میں اس قول کو دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

(۱۴) وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ اس رائے کی تائید ایک اور طریقے سے ہو سکتی ہے شاید یہ کہے کہ ہمیں یہ عقیدہ رکھنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت بہت مضبوط اور محکم تھا، اور اس میں ہر وہ وجہ کمال موجود تھی جو ایک ایسی ریاست کے لئے جسے خدا کا رسُول چلائے، وحی جس کی تائید کرتی ہو اور فرشتے جس کی مدد کرتے ہوں۔ ضروری ہے مگر اس کے باوجود ہم حقیقت کی تفصیلات کے علم تک نہیں پہنچ سکے، اور نہ یہ جان پائے ہیں کہ وہ کیا خصوصیات تھیں جن پر حکومتِ نبوی قائم تھی، یعنی وہ کون سا جامع نظام اور کون سی کامل حکومت تھی؟ یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ راویوں نے اس بات کو پوری طرح ہم تک روایت نہیں کیا، یا ہو سکتا ہے کہ اُنھوں نے روایت کیا ہو لیکن ہم تک نہ پہنچ سکی ہو، یا ممکن ہے کوئی اور سبب ہو ——" وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا "(اور تمھیں جو علم دیا گیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے) (۱۴)

(۱۵) یہ وہ روش ہے کہ علماء کی عقل کا اسے فوراً نزک کر دینا ضروری نہیں۔ ہمارے لئے بھی اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس میں شک وشبہ شامل ہو کیونکہ ہم تاریخ نبوی کے بہت سے حالات سے ناواقف ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نہ صرف اس کے بلکہ اور بہت سی چیزوں کے بارے میں جتنا جانتے ہیں اس سے کہیں زیادہ نہیں جانتے۔

---

(۱۴) : سورۃ "الإسراء" (یا سورۃ بنی إسرائیل) (۱۷: ۸۵)

Marfat.com

اہل علم کا عقیدہ ہمیشہ یہ ہونا چاہیئے کہ بہت سے حقائق ان سے پوشیدہ ہیں اور ان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہمیشہ ان اسرار کی تہ تک پہنچنے میں لگے رہیں اور ان سے نئے نئے استنباط کرتے رہیں کیونکہ اسی سے علم کی زندگی اور نشو و نما پوشیدہ ہے لیکن ضروری نہیں کہ بعض حقائق سے ہماری ناواقفیت کا احتمال ہمیں اس بات سے باز رکھے کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس کی تحقیق نہ کریں اور اس کے حقائق علمی کو نہ سمجھیں۔ انہی حقائق پر ہم احکام مبنی کرتے ہیں اور اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ اسی کے اسباب ہم بیان کرتے ہیں اور انہی سے نتائج کو پہنچتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہمیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا چیز اس کے خلاف ہے اور آخر کار ہمیں پورا پورا علمی ثبوت مل جاتا ہے۔

اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس حقیقت کا یقیناً احتمال ہے کہ حکومت نبوی کے نظام کے حالات ہم سے مخفی ہیں۔ شاید مرور ایام ہمیں یہ بتا دے کہ وہ نظام حکومت مثالی تھا لیکن یہ مفروضہ ہمیں دوبارہ اس مسئلے کی طرف رجوع کرنے سے نہیں روکتا۔ (اور ابھی تک ہمیں حقیقی طور پر یہ معلوم نہیں ہوا کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس کے مخالف کیا چیز ہے) نہ یہ اس بات سے روکتا ہے کہ نبوی نظام حکومت کے ابہام و شکوک میں سے جو کچھ ہم اب تک جان سکے ہیں نئے سرے سے ان کا کھوج لگائیں اور ان کے راز اور معنی معلوم کریں۔

(۱۶) اس سوال کے جواب کا ایک اور طریقہ بھی ہے:۔

وہ یہ کہ جنہیں آج ہم ارکان حکومت، نظام سلطنت، اور اساسی حکم کا نام دیتے ہیں۔ یہ سب دراصل اتفاقی اور عارضی اصطلاحات ہیں اور مصنوعی نام ہیں۔ اور درحقیقت یہ اس نظام مملکت کے لئے قطعاً ضروری نہیں جسے آپ فطری حکومت اور سادہ مملکت کہتے ہیں اور جو ہر قسم کے تکلف سے بے نیاز ہے اور ہر اس چیز

Marfat.com

سے بھی جس کی ضرورت سادگی اور فطرت کو ہرگز نہیں ہوتی۔

ہر وہ شخص جو حکومت نبوی کے مطالعے پر قادر ہے اسی ایک مفہوم تک پہنچتا ہے کہ سلطنتِ نبوی ان تمام مظاہر سے خالی ہے جو آج علمائے سیاست کے نزدیک شہری یا متمدن حکومتوں کے ارکان سمجھے جاتے ہیں۔ دراصل تو یہ غیر ضروری ہیں اور ان کا نہ ہونا حکومت میں کسی کمی کا باعث نہیں اور نہ کسی خرابی یا نقص کا مظہر ہے جو ابہام کہ دولت نبوی میں نظر آتا ہے اس کی ایک تشریح یہ ہے :-

(۱۷) محمدؐ صلعم سادگی سے محبت رکھتے تھے اور تکلف کو ناپسند فرماتے تھے اور آپؐ کی تمام خاص و عام زندگی اسی فطری اور خالص سادگی پر مشتمل تھی۔ جس میں کوئی ملاوٹ، ریا یا تصنع نہ تھا۔ آپؐ اپنے قول و فعل سے اسی سادگی کی طرف دعوت دیتے تھے جیسا کہ جریر بن عبد اللہ البجلی سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "اے جریر! جب تم بات کرو تو اختصار سے کام لو، اور جب تم اپنی حاجت کو پالو تو اعلان نہ کرتے پھرو۔ [۱۵]

آپؐ لوگوں سے بلا تکلف ملتے جلتے تھے اور ان سے بڑی سادگی سے پیش آتے تھے اور یہ روایت کیا جاتا ہے کہ "آنحضرتؐ اپنے اصحاب سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے ..... اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ کی طبیعت میں مزاح موجود تھا" [۱۶] آپؐ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے "میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ تم سے مختلف بن کیونکہ خدا اس بندے سے نفرت کرتا ہے جو اپنے اصحاب میں ممتاز بنتا ہے۔" [۱۷]۔ اور آپ کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے کہ "آپ دو باتوں میں سے ہمیشہ آسان ترین

---

[۱۵] : "الکامل" للمبرّد، جلد (۱) صفحہ (۴)

[۱۶] : "السیرۃ الحلبیّۃ"، جلد (۳)، صفحہ (۳۶۲)

[۱۷] : "السیرۃ النبویّۃ" ("السیرۃ الحلبیّۃ" کے حاشیے پر)، جلد (۳)، صفحہ (۳۶۰)۔

Marfat.com

اختیار کرتے تھے اگر اس میں گناہ نہ ہوتا۔" [۱۸] اور آپ نے ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذؓ سے فرمایا:۔ "آسانی اختیار کرو اور تنگی پیدا نہ کرو۔ تم لوگوں کو خوشخبری دو اور انھیں متنفّر نہ کرو۔"

آنحضرتؐ ریا اور تکلّف سے نفرت کرتے تھے۔ آپؐ نے حجۃ الوداع میں فرمایا "اے خدا! اس حج کو قبول فرما، اسے پاک اور صاف کر کہ اس میں نہ تو ریا ہو اور نہ نمائش" [۱۹]۔ خدا نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "قُلْ مَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ" (کہہ دو میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلّف کرنے والوں میں سے ہوں)، [۲۰] آپ شریعت خداوندی میں لوگوں کو ہمیشہ آسان اور سادہ راستہ اختیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور انھیں تکلّف سے روکتے تھے۔ آپ نے فرمایا: "جب میں تمھیں کسی کام کا حکم دوں تو اس میں سے وہ کرو جس کی تم میں استطاعت ہو۔" اور آپؐ نے فرمایا یہ دین متین ہے جس میں تم نرمی سے گہرائی تک جاؤ۔" اور قرآن میں آیا ہے: "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" (اور دین میں تم پر کسی قسم کی سختی نہیں کی) [۲۱]

اسی لئے تمام احکام شریعت میں آپ کو ایک بھی حکم ایسا نہیں ملے گا جو ان سادہ و صاف اور عام اصولوں کے خلاف ہو۔ آپ نے لوگوں کو یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ نماز کے اوقات کے لئے سورج کے درجوں اور طلوعِ قمر کا حساب لگاتے پھریں۔ بلکہ اسے عام مشاہدے پر مبنی کیا۔ کیونکہ ہر انسان حرکتِ شمس کو محسوس کر

---

[۱۸]: "السّیرۃ النّبویّۃ" جلد (۳) صفحہ (۲۷۲)

[۱۹]: "السّیرۃ الحلبیّۃ" جلد (۳) صفحہ (۲۸۴)

[۲۰]: "سورۃ "صٓ" : ۳۸ : ۸۶۔

[۲۱]: "سورۃ "الحجّ" : ۲۲ : ۷۸۔

سکتا ہے ۔ اسی طرح آپؐ نے روزہ، حج اور دیگر مناسک کو حرکت قمر سے متعلق کیا اور حرکت قمر محسوس کی جاسکتی ہے ۔ اس کے لئے کسی حساب اور نجوم کی ضرورت نہیں۔ آپ نے ہمیں یہ تکلیف بھی نہیں دی کہ ہم روزہ رکھنے کے لئے ہلال رمضان کا حساب لگانا شروع کردیں بلکہ اسے رویت ہلال سے منسوب کردیا جو ہر ایک کے لئے آسان ہے اور اس میں کوئی دقت نہیں ، اسی بارے میں حدیث ہے کہ " نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ ۔۔۔۔۔۔ " (ہم سادہ اور فطری اُمت ہیں) [۲۲] ، اور یہ حدیث کہ " چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو ۔۔۔۔۔ " [۲۳] اور آپ نے ہمیں (رمضان میں) گھنٹوں اور منٹوں سے دن کا حساب لگانے کی بھی تکلیف نہیں دی بلکہ اسے بھی ایک ایسی واضح چیز کے ساتھ مربوط کردیا جو پوشیدہ نہیں : " وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ تمھارے لئے سفید دھاری سیاہ دھاری سے فجر کے وقت ظاہر ہو جائے ، پھر روزوں کو رات تک پورا کرو) [۲۴]

آنحضرتؐ اُمّی تھے اور اُمّیوں ہی کے رسول تھے ، اسی لئے آپؐ کی خاص و عام زندگی اور آپؐ کی شریعت اُن اُمّی اصولوں سے عاری نہ تھی اور نہ سادگی کے مقتضیات اور فطرتِ سلیم سے خالی تھی جن پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ۔ اس لئے عہدِ نبوی کے نظامِ حکومت کے بارے میں ہماری رائے یہی ہے کہ یہ ایسا نظام تھا جس کا مقتضی فطری سادگی تھی اور اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانے کے اکثر نظامِ حکومت محض تکلف اور بناوٹ ہیں ۔ یہ محض خرافات ہیں ، تام و نمائش ہیں اور

---

[۲۲] : " فتح الباری " جلد (۴) ، صفحہ (۸۹) [مطبعۂ خیریہ] " نحن " کی بجائے " اِنّا " کی روایت بھی ہے ۔

[۲۳] : شرح العسقلانی للبخاری ، جلد (۴) ، صفحہ (۸۸) ، [مطبعہ خیریہ]

[۲۴] : سورۃ " البقرۃ " ۔ (۲ : ۱۸۷)

تمع ہیں جنھیں مسلسل دیکھتے رہنے کی وجہ سے ہم ان سے مانوس ہوگئے ہیں [۲۵] یہاں تک کہ اب ہم انھیں ارکانِ حکومت اور اصولِ نظام تصوّر کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔

عہد نبوی کے نظامِ حکومت میں جو بات ہمیں ابہام، خلل یا نقص نظر آتی ہے دراصل وہ اس کی فطری سادگی ہے، اور وہ فطرت ہے جس میں کوئی عیب نہیں۔

(۱۸) اگر ہمارا ارادہ یہ ہو کہ ہم ان بیان کردہ راستوں میں سے کوئی راستہ اختیار کریں تو یہ رائے سب سے زیادہ قبول کرنے کے لائق ہے۔ کیونکہ یہ دین سے زیادہ قریب ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم اسے اختیار کرلیں کیونکہ اگر غور کیا جائے تو یہ غیر وجیہ اور غیر صحیح نظر آتی ہے۔

یہ سچ ہے کہ موجودہ زمانے کے اکثر نظامِ حکومت محض تکلّف اور بناوٹ ہیں اور ان میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی طرف طبع سلیم مائل ہو اور جو فطرتِ صحیحہ کو پسند ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے جس میں کوئی شبہ نہیں کہ نظامِ حکومت کے جو اصول فی زمانہ بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں نہ تو تکلّف ہے اور نہ بناوٹ اور نہ کوئی ایسی بات جو سادہ اور فطری ذوق کے منافی ہے۔ اس کے برعکس وہ ضروری اور مفید ہیں۔ کسی ایسی حکومت کے لئے جو تہذیب و تمدّن کی مالک ہو، انھیں قبول کرنے سے غفلت برتنا مناسب نہیں۔ کیا یہ بات طبع سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے مطابق ہے کہ کسی ریاست کا میزانیہ نہ ہو جس میں آمدنی اور خرچ کا حساب ہو؟ یا یہ کہ اس کے وہ مختلف شعبے نہ ہوں جو اس کے داخلی اور خارجی معاملات کے نگران ہوں؟ نہ

---

[۲۵]: حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی — یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

[مترجم]

Marfat.com

صرف یہ بلکہ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی عہد نبوی میں نہ پائی جاتی تھی، اور نہ آنحضرتؐ نے ان کی طرف کوئی اشارہ ہی کیا ہے، ریاست نبوی میں ان باتوں کے نہ ہونے کا جواز پیدا کرنا کہ وہ سلامتِ فطرت اور تکلف سے احتراز پر مبنی تھی ایک ناقابلِ قبول غلطی ہے۔

ان مشکلات کے حل کے لئے ہمیں کوئی اور وجہ تلاش کرنی چاہیئے۔

Marfat.com

تیسرا باب

نبوّت نہ کہ حکومت - دین نہ کہ دولت

[۱- نبی کریمؐ کی رسالت ـــــ ۲- نبوت نہ کہ حکومت اور دین نہ کہ دولت ـــــ ۳- آنحضرتؐ رسول تھے نہ کہ بادشاہ ـــــ ۴- حکومت کی زعامت اور رسالت کی زعامت ـــــ ۵- انبیاء کا کمال ـــــ ۶- آنحضرتؐ کا مخصوص کمال ـــــ ۷- "ملک" "حکومت" وغیرہ الفاظ سے کیا مراد ہے، اس کی تعیین و تعریف ـــــ ۸- قرآن اس بات کی نفی کرتا ہے کہ آنحضرتؐ حاکم تھے ـــــ ۹- اور سنّت بھی- ۱۰- اسلام کی فطرت بھی اس سے منکر ہے ـــــ ۱۱- مظاہر سلطنت میں سے جو مظاہر معلوم ہوتے ہیں ان کی تاویل ـــــ ۱۲- خاتمہ بحث -]

(۱) یہاں چند ایسے دشوار گزار راستے آجاتے ہیں جن کو طے کرنا ان لوگوں کے آسان نہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ منطق اس اعتقاد میں ان کی رہنمائی کرے کہ نبی کریم صلعم نہ صرف رسول تھے بلکہ سیاسی حاکم اور ایک سیاسی سلطنت کے بانی بھی تھے ہم نے دیکھا ہے کہ جب کبھی وہ لوگ ایک لغزش سے سنبھلنا چاہتے ہیں، چند

Marfat.com

اور لغزشیں ان سے سرزد ہو جاتی ہیں، اور جب بھی وہ اس مشکل سے نجات پانے کا ارادہ کرتے ہیں یہ مشکل انھیں پھر درپیش ہو جاتی ہے اور تکلیف دہ بن جاتی ہے۔

جو کچھ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس کے بعد صرف ایک ہی رائے باقی رہ جاتی ہے، ممکن ہے آپ اسی کو واضح راستہ سمجھ لیں جس میں نہ تو ٹھوکر لگنے کا ڈر ہے اور نہ اس میں دشواریاں ہیں۔ اس راستے میں نہ تو بھٹکنے کا اندیشہ ہے اور نہ اس کی خاک کسی کو چھپا سکتی ہے۔ یہ راستہ تمام تکلیفوں سے پاک ہے اور تمام مشکلات سے خالی ہے، اور وہ قول یہ ہے کہ آنحضرتؐ خالص دین کے لئے دعوت کے رسول ہونے کے سوا اور کچھ نہ تھے۔ اس دعوتِ دین میں نہ تو حکومت کی خواہش شامل تھی اور نہ اس میں کسی سلطنت کی دعوت تھی۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے پاس نہ تو بادشاہت تھی اور نہ حکومت، اور نہ آپؐ کسی مملکت کی بنیاد ان معنوں میں رکھنے کے لئے تشریف لائے تھے جن معنوں میں آج کل سیاست کا لفظ اور اس کے مرادفات لئے جاتے ہیں۔ آپؐ اپنے سے پہلے انبیاء کی طرح صرف نبی تھے اور آپ نہ تو بادشاہ تھے نہ کسی سلطنت کے بانی تھے اور نہ حکومت کے دعویدار تھے۔

یہ قول غیر معروف ہے اور ممکن ہے کہ یہ مسلمانوں کی سماعت پر ناگوار گزرے۔ لیکن اس میں وزن ہے اس لئے غور و فکر ضروری ہے، اور اس میں مضبوط دلیل ہے۔

(۲) اس سے پیشتر کہ ہم اس کی تشریح کریں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو اس خطا اور لغزش سے آگاہ کر دیں جو انھیں پیش آسکتی ہے۔ اگر وہ اچھی طرح غور نہ کریں اور اس مسئلے کا اچھی طرح مطالعہ نہیں کرتے۔ وہ یہ ہے کہ رسالت بذاتِ خود رسول کو اپنی قوم میں ایک خاص قسم کی زعامت یا قیادت اور امتیاز اور ان پر اختیار عطا کر دیتی ہے۔ لیکن یہ چیز قطعاً بادشاہوں کے امتیاز، اُن کے اپنی رعیت پر اختیار اور قدرت سے مشابہ نہیں۔ اس لئے رسالت کی زعامت اور بادشاہت،

کی زعامت کو خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ ان میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ بہت بُعد ہے۔ اسی طرح آپ نے یہ دیکھ لیا ہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰؑ کی اپنے پیروؤں پر سرداری اور اقتدار ملوکیت کی سرداری سے بہت مختلف ہے، اور اسی طرح اکثر انبیاؑ کا اقتدار ہے۔

(۳) دین کی سچی دعوت کے لئے قدرتی طور پر سب سے پہلے تو رسول میں ایک خاص قسم کے کمال حواس کی ضرورت ہے۔ اسی لئے اس کے اعضائے جسمانی، حواس اور عقل میں کوئی نقص نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو لوگوں کو متنفر کرے۔ اسی لئے یہ ضروری ہے ــــــ کیونکہ وہ قائد ہے ــــــ کہ اس میں ہیبت ہو جو دلوں میں رُعب ڈال دے۔ اور جاذبیّت ہو جو مردوں اور عورتوں کو اس کی محبّت پر مائل کر دے۔ اس کے علاوہ نبی میں روحانی کمال بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے فرض منصبی کے سبب اس کا اتّصال خداوند تعالیٰ سے ضروری ہے۔

رسالت کے لئے نبی کو اپنی قوم میں خصوصی اجتماعی امتیاز بھی درکار ہے جیسا کہ آیا ہے کہ " خدا جب کسی نبی کو مبعوث کرتا ہے تو اسے اپنی قوم میں عزّت اور اپنے قبیلے میں رُعب بھی بخشتا ہے۔" [۱] رسالت نبی کو معتدبہ قوّت بھی عطا کرتی ہے کیونکہ اس کا فرض قول کو نافذ کرنا اور دعوت کو قبول کرانا ہوتا ہے۔ خدا رسالت کو بیکار اور عبث چیز نہیں سمجھتا۔ اگر وہ کسی رسول کو حق پر مبعوث کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کی دعوت کی تکمیل ہو اور اُس کے اصُول دنیا کی لوحِ محفوظ پر نقش ہو جائیں اور اس دُنیا کے حقائق میں شمار ہوں۔ " وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ " (اور ہم نے کبھی کوئی رسُول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔) (سورۃ "النساء" ۴، : ۶۴)

---

[۱] مسلم اور بخاری کی روایت ذرا مختلف ہے، دیکھئے: تیسیرُ الوصول اِلیٰ جامع الاُصول۔ جلد (۳)، صفحہ (۳۲۰)

نعوذ باللہ! خدا دعوتِ حق کو اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ ضائع کی جائے اور نہ وہ رسول کو اس لئے مبعوث کرتا ہے کہ اس کا مذاق اُڑایا جائے۔ "وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝" (تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا جا چکا ہے۔ پھر جن لوگوں نے اُن سے مذاق کیا تھا انھیں اسی عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے، کہہ دو کہ زمین میں پھرو۔ پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا) [سورۃ "الانعام" (۶) : ۱۰-۱۱] "وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝" (اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے حکم سے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کو ثابت کر دے اور باطل کو مٹا دے، اگرچہ گنہگار ناراض ہوں) [سورۃ "الانفال" (۸) ۷-۸] "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ ۝ وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝" (اور ہمارا حکم ہمارے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں پہلے سے ہو چکا ہے۔ بیشک وہی مدد دیئے جائیں گے اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا) [سورۃ "الصّٰفّٰت" (۳۷) : ۱۷۱-۱۷۳] "إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝" (ہم اپنے رسولوں اور ایمانداروں کی دنیا کی زندگی میں بھی مددگار ہیں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ جس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا کچھ بھی نفع نہ دے گا اور ان پر پھٹکار پڑے گی اور ان کے لئے برا گھر ہوگا) [سورۃ "المؤمن" (۴۰) : ۵۱-۵۲]۔

منصبِ رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ رسول کے پاس اس سے بھی زیادہ وسیع اقتدار ہو جو حاکم کا محکوموں پر اور باپ کا اولاد پر ہوتا ہے۔

Marfat.com

رسول کو بھی اپنی اُمّت پر اسی طرح اختیار و اقتدار حاصل ہوتا ہے جس طرح بادشاہوں کو لیکن اس کا عہدہ ایسا ہے کہ صرف وہی اس کا اہل ہے اور کوئی دُوسرا اس کا شریک نہیں۔ یہ اس کے منصب کا اقتضاء ہے کہ وہ ان رُوحوں سے مل جائے جو جسموں میں ہوتی ہیں، اور حجابات کو اُٹھا دے تاکہ وہ ان کے دلوں کے حالات جان لے، جو سینوں میں ہیں۔ اُس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کے دل چاک کر دے تاکہ وہ محبت اور بُغض کے منبعوں تک پہنچ جائے اور نیکی اور بدی کے سرچشموں کو پالے اور خیالات کے مرکزوں تک پہنچ جائے تاکہ وہ خدشات کی کمین گاہوں، نیتوں کے سوتوں اور اخلاق کے دفینوں کو حاصل کر لے۔ سیاست عامّہ میں اس کا عمل ظاہر بھی ہوتا ہے اور ایک شریک اور دُوسرے شریک، ایک حلیف اور دُوسرے حلیف، آقا و غلام اور باپ بیٹے کے درمیان تعلّقات کو استوار کرنے میں اس کا عمل مخفی بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح ان تعلّقات کو نباہنے میں بھی جن کا علم صرف خاوند اور بیوی کو ہوتا ہے، اُسے ظاہر و باطن کی ہدایت حاصل ہے جسمانی اور رُوحانی امور کی اور ہمارے ارضی و سماوی تعلّقات کی تدبیر کا بھی حق حاصل ہے، اور اسے دُنیا اور آخرت کی سیاست حاصل ہے۔

رسالت کے لئے یہ بھی ضروری ہے —— اور یہ بہت بڑی چیز ہے —— (جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں) کہ نبی کو ہر نفس سے اتّصال کا حق حاصل ہو۔ ایسا اتّصال جو ہدایت اور تدبیر پر مبنی ہو، اور ہر دل پر اسے اختیار حاصل ہو۔ ایسا اختیار جو غیر محدود ہو۔

(۴) اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ آنحضرتؐ کی رسالت کے ساتھ بہت سی ایسی باتیں مخصوص تھیں جو آپؐ کے علاوہ کسی اور نبی کو حاصل نہیں تھیں۔ آنحضرتؐ ایک ایسی دعوت لے کر آئے تھے جس کے لئے خدا نے آپؐ کو منتخب کیا تھا کہ آپؐ سب لوگوں کو اس کی طرف بُلائیں، اور آپ کے لئے یہ مقدور کیا تھا کہ وہ دعوت

مکمل طور پر لوگوں کے پاس پہنچ جائے، اور وہ اس وقت تک اس کی دعوت دیتے رہیں جب تک کہ دین مکمل نہ ہو جائے اور نعمت کی تکمیل نہ ہو جائے جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور دینِ خالص خدا کے لئے نہ رہ جائے۔ ایسی رسالت کے لئے نبی میں ایسا کمال ضروری ہے جو فطرت بشر کا منتہا ہو۔ اس کے پاس لامحدود نفسیاتی قوت ہو جو خدا اپنے منتخب انبیاء کے لئے متعین کر دیتا ہے، اور اسے خداوندی تائید حاصل ہو جو اس عظیم دعوتِ عامہ کے شایانِ شان ہو۔

خدا نے فرمایا ہے: " وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا " (اور اللہ کا تم پر بہت بڑا فضل تھا) [سورۃ "النِّسَاء" (۴) : ۱۱۳]، اور " فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا "۔ (بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں) [سورۃ "الطُّور" (۵۲) : ۴۸] اور حدیث میں ہے کہ "خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی شرمسار نہیں کرے گا۔ [۲]۔ اور یہ بھی کہ" میں خدا کے نزدیک آدمؑ کے بیٹوں میں سے سب سے اچھا ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں" [۳]۔

اسی وجہ سے آنحضرتؐ کا اقتدار رسالت کے اقتضاء کے سبب اقتدارِ عام تھا اور آپؐ کا حکم مسلمانوں کے لئے واجبِ اطاعت تھا اور آپؐ کی حکومت عالمگیر تھی۔ اسی لئے کوئی امر ایسا نہ تھا جو حکومت کے اختیار میں تو ہو لیکن آنحضرتؐ کے اقتدار سے باہر ہو، اور قیادت و سلطنت کی کوئی قسم ایسی تصور نہیں کی جا سکتی کہ جو آپؐ کی مسلمانوں پر ولایت میں داخل نہ ہو۔

جب عقل اس کی اجازت دیتی ہے کہ ان درجوں میں تفاوت ہو جو رسول کو اپنی اپنی اُمت میں حاصل ہوتے ہیں تو آنحضرتؐ سب انبیاء سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں کہ آپؐ کو اپنی امت پر سب سے زیادہ اقتدار حاصل ہو اور آپؐ کا قول سب سے زیادہ

---

[۲]: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ("وحی کیسے شروع ہوئی؟") مسلم و بخاری بغیر اسناد۔

[۳]: حدیث انسؓ (ترمذی)

مقبول ہو، یعنی آپؐ کو نبوّت کی طاقت، رسالت کا اقتدار اور دعوتِ صادقہ کا نفاذ حاصل ہو، جن کے لئے خُدا نے یہ مقدور کیا تھا کہ وہ دعوتِ باطل پر حاوی ہوں اور دنیا میں ہمیشہ قائم رہیں۔

یہ وہ اقتدار ہے جو خدا آسمان سے ان لوگوں کے پاس بھیجتا ہے جن کے پاس ملائکہ اس کی طرف سے وحی لے کر آتے ہیں۔ یہ وہ مقدّس طاقت ہے جس کے لئے خُدا کے انبیاء ہی مخصوص ہیں۔ اس میں ملوکیّت کا کوئی عنصر موجود نہیں، نہ تو اس سے بادشاہوں کی قوّت مشابہ ہے اور نہ سلاطین کا اقتدار ہی اس کے مماثل ہے۔

یہ اقتدار اس لئے ہے کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلایا جائے اور ان تک رسالت کو پہنچایا جائے۔ یہ ملوکیّت کا اقتدار نہیں ہے۔ کیونکہ وہ رسالت، دین اور حکمِ نبوّت ہے نہ کہ حکمِ سلاطین۔

ہم آپ کو دوبارہ آگاہ کئے دیتے ہیں کہ ان دو حکموں کو خلط ملط نہ کیجئے اور ان دونوں ولایتوں کو ایک نہ سمجھیے یعنی ولایتِ رسول بحیثیّت رسول، اور ولایتِ ملوک وامراء۔

رسول کی اپنی قوم پر ولایت، ولایت رُوحانی ہے جس کا منبع دل کا ایمان ہے جس کا خضوع ایسا صادق اور مکمّل خضوع ہے جو خضوعِ جسم کا تابع ہے۔ حاکم کی ولایت مادی ولایت ہے جو دلوں کے اتّصال کی بجائے جسموں کے خضوع پر اعتماد کرتی ہے۔ وہ ولایت خدا کی طرف دعوت دیتی ہے اور اسی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یہ ولایت زندگی کی مصلحتوں کی تدبیر اور دنیاوی ضرورتوں کی خاطر ہے۔ وہ دین کے لئے ہے یہ دُنیا کے لئے، وہ خُدا کے لئے ہے یہ لوگوں کے لئے، وہ دینی سرداری ہے یہ سیاسی۔ اور غور کیجئے کہ سیاست اور دین میں کس قدر بُعد ہے۔

(۵) ہم چاہتے ہیں کہ اب آپ کی توجّہ ایک اور بات کی طرف مبذول کریں،

چند کلمات ایسے ہیں جو بعض اوقات تو مترادف معنوں میں اور بعض دفعہ متضاد معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ بعض صورتوں میں ان سے پریشانی، اختلافِ نظر اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ ان کلمات میں سے چند یہ ہیں: بادشاہ، سلطان، حاکم، امیر، خلیفہ، دولت، مملکت، حکومت، خلافت وغیرہ۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کیا آنحضرتؐ بادشاہ تھے یا نہیں؟ تو ہمارا مقصد صرف یہ پوچھنا ہوتا ہے کہ کیا آنحضرتؐ سے صفتِ رسالت کے علاوہ کوئی اور صفت بھی منسوب تھی۔ جس کی رُو سے یہ کہنا درست ہو کہ آیا آپ نے کسی وحدتِ سیاسی کی عملی بنیاد رکھی تھی یا رکھنی شروع کی تھی؟ یہاں لفظ "بادشاہ" کے استعمال کا مطلب ایسی اُمّت کا حاکم ہے جسے وحدتِ سیاسی و مدنی حاصل ہو، (اسے آپ خلیفہ کہیں یا سلطان یا امیر جو جی چاہے کہہ لیں) اسی طرح حکومت، دولت، سلطنت، مملکت وغیرہ سے ہماری مراد وہ ہے جو علما، سیاست GOVERNMENT. یا STATE. یا KINGDOM. وغیرہ سے لیتے ہیں۔

ہمیں اس میں قطعاً شک نہیں کہ اسلام وحدتِ دینی ہے اور مسلمان بحیثیت قوم ایک جماعت ہیں، آنحضرتؐ نے اسی وحدت کی دعوت دی تھی اور اپنی وفات سے قبل اسے پورا کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ اسی وحدتِ دینی کے سربراہ تھے۔ وہی صرف اس کے امام اور وہی اس کے مدبّر تھے، اور آپ ایسے قائد تھے جن کی بات ٹالی نہ جاتی تھی اور جن کے قول کی مخالفت نہ ہوتی تھی۔ اسی وحدتِ اسلامی کی خاطر آپؐ نے زبان و سنان سے جنگ کی اور آپؐ کو خدا کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوئی، خدا کے فرشتوں نے آپؐ کی مدد کی اور آپؐ کو تقویت بہم پہنچائی، یہاں تک کہ آپؐ نے رسالت کا حق ادا کر دیا اور اس کی امانت کو پورا کیا۔ آپؐ کو اپنی قوم پر وہ اقتدار حاصل تھا جو آج تک آپؐ سے پہلے یا آپؐ کے بعد کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوا۔" اَلنَّبِیُّ

Marfat.com

أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ "(نبیؐ خود مسلمانوں سے زیادہ اُن کے قریب ہے یعنی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے ـــــ سورۃ "الاحزاب" (۳۳) : ۶]۔

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا" (کسی مومن مرد یا عورت کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دیں تو انھیں اپنے کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا" ـــ سورۃ "الأحزاب" (۳۳) : ۳۶]

جو شخص یہ چاہے کہ اس وحدتِ دینی کو "دولت" کا نام دے یا آنحضرتؐ کے خالص نبوی اقتدار کو اقتدار، سلطنت یا خلافت کہے اور آنحضرتؐ کو بادشاہ، خلیفہ یا سلطان کا لقب دے تو اسے اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ یہ تو صرف نام ہیں جن پر ہمیں زیادہ غور و فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ اہم بات تو (جو ہم کہہ چکے ہیں) صرف مطلب و مفہوم ہے اور اسے ہم پہلے ہی متعین کر چکے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آنحضرتؐ کی اپنی قوم میں سرداری اور امتیاز، امتیازِ نبوت تھا یا امتیازِ سلطنت؟ اور وہ مظاہر ولایت جنھیں ہم سیرت نبوی میں اکثر پاتے ہیں۔ سیاسی دولت کے مظاہر تھے یا دینی ریاست کے؟ اور وہ وحدت جس کے سربراہ آنحضرتؐ تھے کیا حکومت و دولت کی وحدت تھی یا صرف وحدتِ دینی تھی نہ کہ سیاسی بھی؟ اور آخر میں یہ بھی کہ کیا رسولِ کریم صلعم صرف رسول تھے یا رسول اور بادشاہ دونوں تھے؟

(۶) قرآن مجید کے ظواہر اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا سیاسی حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس کی آیات اس بات کی شاہد ہیں کہ آپؐ کا سماوی عمل اقتدار کے ہر معنی میں محض بلاغ کی حدود کے اندر تھا جس میں حکومت کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔ [سورۃ "النساء" (۴): ۸۰]

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تمھیں ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ [سورۃ "الانعام" (۶): ۶۶ - ۶۷]

اور تمھاری قوم نے اُسے جھٹلایا ہے حالانکہ وہ حق ہے۔ کہہ دو۔ میں تمھارا ذمہ دار نہیں بنایا گیا ہر خبر کے ظاہر ہونے کا وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لوگے۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ [سورۃ "الانعام" (۶): ۱۰۶ - ۱۰۷]

تم اس کی اطاعت کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھیں وحی دی گئی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے، اور ہم نے تمھیں ان پر نگران نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ [سورۃ "یونس" (۱۰): ۹۹]

اور اگر تمھارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ پھر کیا تم لوگوں پر زبردستی کروگے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

کہہ دو۔ اے لوگو! تمھیں تمھارے رب کی طرف سے حق پہنچ چکا ہے جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے ہی لئے ہدایت حاصل کی اور جو گمراہ ہوا تو اس کا وبال اُسی پر پڑا اور میں تمھارا

Marfat.com

بِوَكِيلٍ. [سورۃ "یونس" (۱۰) : ۱۰۸]	ذمّہ دار نہیں ہوں۔
وَمَا أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝	اور ہم نے تمھیں ان پر ذمّہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔
[سورۃ "الاسراء" (بنی اسرائیل) (۱۷) : ۵۴]	
أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰهُ	کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی
أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا	خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟ پھر کیا تم اس
[سورۃ "الفرقان" (۲۵) : ۴۳]	کے ذمّہ دار ہو سکتے ہو؟
إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ	بے شک ہم نے یہ کتاب تم پر لوگوں کے لئے
بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهِ	سچّی اُتاری ہے۔ پھر جس نے ہدایت پائی تو
وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا	اپنے لئے۔ اور جو گمراہ ہوا وہ اپنے بُرے کے
وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ	لئے ہوا اور تم ان کے ذمّہ دار نہیں ہو۔
[سورۃ "الزُمر" (۳۹) : ۴۱]	
فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنٰكَ	پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو ہم نے تم کو ان پر حافظ
عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۚ إِنْ عَلَيْكَ	بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف پہنچا دینا
إِلَّا الْبَلٰغُ ۚ	ہے۔
[سورۃ "الشوریٰ" (۴۲) : ۴۸]	
نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا	ہم خوب جانتے ہیں جو وہ (مشرک) کہتے ہیں،
أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۝ فَذَكِّرْ	تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، پھر قرآن سے
بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ	اسے نصیحت کرو جو میرے عذاب سے ڈرتا ہو۔
[سورۃ "قٓ" (۵۰) : ۴۵]	
فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ	پس تم نصیحت کرو۔ بے شک تم تو نصیحت
عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ إِلَّا مَنْ	کرنے والے ہو تم ان پر کوئی داروغہ نہیں ہو۔

Marfat.com

تَوَلّٰی وَ کَفَرَ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ — لیکن جس نے منہ موڑا اور انکار کیا تو اللہ اسے
الْعَذَابَ الْاَکْبَرَ — بہت بڑا عذاب دے گا۔

[سورۃ "الغاشیۃ" (۸۸) ۲۴-۲۱]

جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے قرآن صریح طور پر اس کی نفی کرتا ہے کہ آنحضرتؐ لوگوں پر حفیظ ہیں، یا وکیل یا جبّار [۴] یا مصیطر (نگران، محافظ) قرآن نے آپؐ کو یہ حق بھی نہیں دیا کہ وہ طاقت اور جبر کو استعمال کریں تا کہ سب لوگ مومن بن جائیں۔ جو حفیظ اور مصیطر نہیں وہ بادشاہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عام محافظت اور جبروت بادشاہ کے لوازم میں سے ہے اور اس کا اختیار غیر محدود ہوتا ہے۔ جو شخص امت کا وکیل نہیں وہ بادشاہ بھی نہیں اور خدا نے فرمایا ہے: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا" [سورۃ "الاحزاب" (۳۳): ۴۰] (محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر بات کو جانتا ہے)

قرآن اس بارے میں بالکل واضح ہے کہ محمد صلعم کا امت پر رسالت کے حق کے علاوہ اور کوئی حق نہ تھا۔ اگر آپ بادشاہ ہوتے تو آپ کا امت پر حق بادشاہت بھی ہوتا کیونکہ بادشاہ کا حق رسالت کے حق سے مختلف ہوتا ہے اور اس کی بزرگی اس سے

---

[۴]: میرا خیال ہے میں نے کسی کتاب میں یہ پڑھا تھا (جس کا نام مجھے اب یاد نہیں)، کہ "جبّار" کسی عرب بادشاہ کا نام تھا اور اسی لئے خدا نے کہا ہے: وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ لیکن میں نے اب لغت کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ بادشاہت کا نام "جبر" ہے۔ یہ محاورہ ہے: "طَلَعَ الْجَبَّارُ" یعنی جبار طلوع ہوا (مراد جوزا) کیونکہ اس کی شکل ایسے بادشاہ سے ملتی ہے جو تاج پہن کر تخت پر بیٹھا ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں اتنی قوت کا مالک ہے جتنی کہ قوت جبار یعنی بادشاہ کی قوت، واللہ اعلم (مصنف)

Marfat.com

الگ ہوتی ہے اور اس کا اثر بھی اس کے اثر سے مختلف ہوتا ہے:

قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ، وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. [سورۃ الاعراف (۷): ۱۸۸]

کہہ دو: میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی بات جان سکتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو محض ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان دار ہیں۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰى إِلَيْكَ وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ أَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ، إِنَّمَآ أَنْتَ نَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ [سورۃ "ھود" (۱۱): ۱۲]

پھر شاید تم اس میں کچھ چھوڑ دو گے جو تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے اور ان کے یہ کہنے سے تمہارا دل تنگ ہوگا کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اترا یا اور اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا۔ تم تو محض ڈرانے والے ہو اور اللہ ہر بات کا ذمہ دار ہے۔

إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ [سورۃ "الرعد" (۱۳): ۷]

تم تو محض ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا آیا ہے۔

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ، فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا ۝ [سورۃ الکہف: (۱۸): ۱۱۰]

کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا آدمی ہی ہوں۔ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا معبود فقط ایک ہی معبود ہے۔ پھر جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو اسے چاہیئے کہ اچھے کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ — کہہ دو: اے لوگو! میں تو تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

[سورۃ "الحج": (۲۲) : ۴۹]

إِن يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ [سورۃ "ص": (۳۸) : ۷۰] — مجھے تو یہی وحی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں صاف صاف ڈراؤں۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ۔ — کہہ دو: میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔ میری طرف یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

[سورۃ "حٰم السجدۃ" یا فصلت" (۴۱) : ۶]

جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے قرآن اس کی تصریح کرتا ہے کہ محمد صلعم سوائے رسول کے اور کچھ نہ تھے جن سے پہلے اور بھی بہت سے انبیاء گزر چکے ہیں۔ یہ بھی واضح ہے کہ آپؐ کا کام صرف خدا کی رسالت کو لوگوں تک پہنچانا تھا اور اس بلاغ کے سوا آپؐ اور کسی چیز کے مکلّف نہ تھے۔ آپؐ کا یہ فرض نہ تھا کہ آپؐ لوگوں کو بجبر رسالت پر ایمان لانے کے لئے کہتے یا انھیں اس بات پر مجبور کرتے:

فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ — پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔

[سورۃ "المائدۃ": (۵) : ۹۲]

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝ [سورۃ "المائدۃ" (۵) : ۹۹] — رسول کے ذمے سوائے پہنچانے کے اور کچھ نہیں۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ — کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمدؐ) کو جنون تو نہیں ہے۔ وہ تو کھلم کھلا ڈرانے

مبین ﴿سورۃ "الاعراف" (۷): ۱۸۴﴾	والا ہے۔
أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا	کیا اس بات سے لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے
إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ	ان میں سے ایک کے پاس وحی بھیج دی کہ سب
وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ	لوگوں کو ڈرائے اور جو ایمان لائیں انھیں یہ
قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۔	خوشخبری سنائے کہ انھیں اپنے رب کے ہاں
[سورۃ "یونس" (۱۰): ۲]	پورا مرتبہ ملے گا۔
وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي	اور یا تو ہم تمھیں یہ دکھادیں گے جو دھمکی ہم نے
نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا	انھیں دی ہے یا انھیں اٹھالیں گے، سو تمھارے
عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ	ذمے تو پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمے حساب
[سورۃ "الرعد" (۱۳): ۴۰]	لینا ہے۔
فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ	پھر رسولوں کے ذمے تو صاف صاف پہنچا
الْمُبِينُ ۔ [سورۃ "النحل" (۱۶): ۳۵]	دینا ہے۔
وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا	اور ہم نے اسی لئے تم پر یہ کتاب اتاری ہے
لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ	کہ تم انھیں وہ چیز کھول کر بتادو جس میں وہ
وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۔	جھگڑ رہے ہیں اور ایمانداروں کے لئے
[سورۃ "النحل" (۱۶): ۶۴]	ہدایت اور رحمت بھی ہے۔
فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ	پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو تم پر صاف صاف
الْمُبِينُ ۔ [سورۃ "النحل" (۱۶): ۸۲]	پیغام پہنچا دینا ہی فرض ہے۔
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا	اور ہم نے تمہیں صرف خوشخبری سنانے والا اور
[سورۃ "الاسراء" یا "بنی اسرائیل" (۱۷): ۱۰۵]	ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔
فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ	سو ہم نے قرآن کو تمہاری زبان میں اس لئے

Marfat.com

بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ [سورۃ "مریم": (۱۹): ۹۷]

آسان کیا ہے کہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سناؤ اور جھگڑنے والوں کو ڈراؤ۔

طٰهٰ ۝ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى ۝ إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ [سورۃ "طٰہٰ": (۲۰): ۳-۱]

ہم نے یہ قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم ناکام رہو (یا مصیبت اٹھاؤ) بلکہ اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ [سورۃ "النور": (۲۴): ۵۴]

اور رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا [سورۃ "الفرقان": (۲۵): ۵۶]

اور ہم نے تمہیں محض خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ وَّأُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ [سورۃ "النمل": (۲۷) ۹۲-۹۱]

مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے مقدس بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اور یہ بھی کہ قرآن پڑھوں۔ پھر جس نے ہدایت پائی تو اس کے اپنے لئے ہے اور جو گمراہ ہوا تو کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وَإِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ [سورۃ "العنکبوت": (۲۹): ۱۸]

اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قومیں جھٹلا چکی ہیں اور رسول کے ذمہ تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ [سورۃ "الاحزاب" (۳۳) : ۴۵-۴۶]

اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنایا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝

[سورۃ "سبا" (۳۴) : ۲۸]

اور ہم نے تم کو سب لوگوں کی طرف خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ [سورۃ "سبا" (۳۴) : ۴۶]

تمہارے ساتھی کو جنون تو نہیں ہے، وہ تمھیں ایک سخت عذاب آنے سے پہلے خبردار کرنے والا ہے۔

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۝

[سورۃ "فاطر" (۳۵) : ۲۳-۲۴]

تم تو صرف ڈرانے والے ہو۔ ہم نے تمھیں سچا دین دے کر خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری کہ اس میں ڈرانے والا نہ گزر چکا ہو۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

[سورۃ "یٰس" (۳۶) : ۱۷]

اور ہمارے ذمے صرف کھلم کھلا پہنچا دینا ہی ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

[سورۃ "صٓ" (۳۸) : ۶۵]

کہہ دو: میں تو ایک ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو ایک ہے اور غالب۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ

کہہ دو: میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور میں

Marfat.com

وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ
إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا
أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

[سورۃ "الاحقاف" (۴۶) : ۹]

نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ
تمہارے ساتھ۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا
ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور میں صرف
صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا
وَنَذِيرًا ۝ [سورۃ "الفتح": (۴۸) : ۸]

ہم نے تمہیں گواہ، خوشخبری دینے والا اور
ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ،
فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا
الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝

[سورۃ "التغابن": (۶۴) : ۱۲]

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔
پھر اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول پر
بھی واضح طور پر پہنچا دینا ہی ہے۔

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَ
إِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝

[سورۃ "الملک": (۶۷) : ۲۶]

کہہ دو کہ اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے
اور میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا
أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝ قُلْ إِنِّي
لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝
قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ
اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن
دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ إِلَّا بَلَاغًا
مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ

[سورۃ "الجن": (۷۲) : ۲۰-۲۳]

کہہ دو: میں تو اپنے رب ہی کی طرف بلاتا ہوں
اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔
کہہ دو: میں نہ تمہارے کسی ضرر کا اختیار رکھتا
ہوں اور نہ بھلائی کا۔ کہہ دو: مجھے اللہ سے
کوئی نہیں بچا سکے گا اور نہ مجھے اس کے سوا
پناہ ملے گی۔ مگر اللہ کا پیغام اور اس کا حکم
پہنچانا ہی ہے۔

Marfat.com

(۷) اگر ہم کتاب اللہ سے سُنّتِ نبوی کی طرف رجُوع کریں تو ہمیں بات زیادہ واضح اور دلیل زیادہ مضبوط نظر آتی ہے۔

صاحبِ "السِّیرَۃُ النبویّۃ" [۵] نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریمؐ کے پاس کسی ضرورت سے آیا۔ جب وہ آپ کے روبرو ہُوا تو اس پر ہیبت کپکپی اور رُعب طاری ہوگیا۔ آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا: "اطمینان رکھو، میں نہ تو بادشاہ ہوں نہ جبّار، میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو مکّہ میں سُوکھا گوشت کھایا کرتی تھی ..... " حدیث میں آیا ہے کہ جب اسرافیلؑ کی زبانی آپ سے یہ پُوچھا گیا کہ آپؐ نبی اور بادشاہ بننا پسند کریں گے یا نبی اور عبد، تو آپؐ نے جبریلؑ کی طرف دیکھا گویا اُن سے مشورہ کر رہے ہوں۔ جبریلؑ نے زمین کی طرف نظر کی اور تواضع کا مشورہ دیا۔ ایک روایت میں یُوں ہے کہ "جبریلؑ نے مجھے تواضع برتنے کا مشورہ دیا تو میں نے نبی اور عبد بننا پسند کیا۔"

یہ بات بھی اس کا ثبوت ہے کہ آنحضرتؐ ہرگز بادشاہ نہ تھے اور نہ آپؐ نے کبھی حکومت کی خواہش کی اور نہ آپؐ نے اپنے آپ کو کبھی اس طرف متوجّہ کیا۔

آپ قرآن مجید کے اوراق میں کوئی ظاہر یا پوشیدہ اشارہ اس اعتقاد کے حق میں تلاش کریں جو حامیانِ خلافت رکھتے ہیں کہ دینِ اسلام میں سیاسی وصف بھی ہے اس کے بعد اس کے متعلق کوئی اشارہ حتّی المقدور احادیثِ نبوی میں بھی ڈھونڈیں یہ دین کے وہ شفاف چشمے ہیں جن تک آپ کی دسترس ہو سکتی ہے اور جو آپ کی رسائی سے باہر نہیں، ان میں سے کوئی دلیل ـــــ یا شبہ دلیل ہی ـــــ تلاش کریں یقیناً آپ کو اس بارے میں کوئی بُرہان نہ مل سکے گی، سوائے شک وظنّ کے، اور

---

[۵]: "السیرۃ النبویۃ" از احمد بن زینی دحلان، متوفّی سنہ ۱۳۰۴ الھجری، (از کتاب "اکتفاء القنوع")

Marfat.com

ظن حقیقت سے بے نیاز نہیں کرتا" [(۵۳) : ۲۸]

(۸) اسلام کا مقصد خدا کی طرف دعوت دینا ہے، اور یہ مختلف مذاہب میں سے ایک مذہب ہے جس کا مقصد نوعِ بشر کی اصلاح اور خدا کی طرف ہدایت ہے۔ یہ ابدی سعادت کی ان راہوں کو کشادہ کرنے والا ہے جو خدا نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار کی ہیں، یہ وہ وحدتِ دینی ہے جس سے خداوند تعالیٰ کا مقصد تمام بنی نوع انسان کو مربوط کرنا ہے اور پورے کرّہ ارض کا احاطہ کرنا ہے۔

یہ اس دُنیا کے لئے ایک پاکیزہ اور مقدّس دعوت ہے تاکہ کالے اور گورے سب خدا کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور ایک ہی اُمّت بن جائیں۔ ایک ہی خدا کی عبادت کریں اور اس کی عبادت میں بھائی بھائی بن جائیں۔ یہ اس دُنیا کی سلامتی بقا اور امن کے لئے ایک نصب العین کی طرف دعوت ہے اور اسے ایک حدِ کمال تک پہنچانے اور اس سعادت کے حاصل کرنے کی دعوت ہے جو اس کے لئے مہیّا کی گئی ہے۔ یہ زمین پر سعادتی رحمت ہے اور دونوں جہانوں پر خدا کا فضل ہے۔

یہ دعوتِ عالم جو دین میں بھائی چارہ قائم کرتی ہے ایک معقول دعوت ہے اور انسان کی فطرت میں اسے سچ ماننے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد موجود ہے۔

یقیناً خدا نے اس دعوت کی تکمیل کا وعدہ فرمایا ہے:-

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ [سورۃ "ابراھیم": (۱۴) : ۴۷]

پس اللہ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا خیال نہ کرو۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ

اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے وعدہ کیا ہے کہ انھیں ضرور زمین کی حکومت عطا کرے گا جیسے کہ ان سے پہلوں کو کی تھی، اور ان کے لئے اس

دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ
أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ
بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ٥

[سورۃ "النور" : (۲۴) : ۵۵]

دین کو ضرور مستحکم کرے گا جو اس نے ان کے لئے
پسند کیا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دیگا
بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے
ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور جو اس کے
بعد ناشکری کریں وہی فاسق ہوں گے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ
شَهِيدًا ٥ [سورۃ "الفتح" : (۴۸) : ۲۸]

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور
سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اُسے ہر ایک دین
پر غالب کرے۔ اور اللہ کی گواہی کافی
ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى
اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ
إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥ يُرِيدُونَ
لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ
الْكَافِرُونَ ٥ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ
رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ
لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ٥

[سورۃ "الصف" (۶۱) : ۹-۷]

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ
پر جھوٹ باندھے حالانکہ اسے اسلام کی طرف
بُلایا جا رہا ہو؟ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت
نہیں کرتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ خدا کا نور اپنے
مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنا نور پورا
کر کے رہے گا۔ اگرچہ کافر بُرا مانیں، وہی تو
ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین
دے کر بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب
کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

یہ بات معقول ہے کہ تمام دنیا کو ایک ہی دین کی طرف دعوت دی جائے اور تمام انسانیت ایک ہی وحدتِ دینی میں پروئی جائے۔ لیکن جہاں تک تمام عالم کو ایک ہی حکومت کا پابند کرنے، اور ایک ہی مشترکہ سیاست کے تحت جمع کرنے کا تعلق ہے اس میں اس بات کا احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ فطرت انسانی سے خارج ہے، اور خدا کا منشاء مرکز اس سے منسوب نہیں، بلکہ یہ تو دنیاوی امور میں سے ہے جسے خدا نے ہمیں اپنی عقل، علوم، مصلحتوں، اغراض اور خواہشات کے مطابق ڈھالنے اور چلانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ اس بات میں کہ لوگ ایک دوسرے سے مختلف رہیں خدا کی بہت بڑی حکمت ہے :-

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ	اور اگر تمہارا ربّ چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی
أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ	اُمّت بنا دیتا۔ اور وہ ہمیشہ اختلاف میں
مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ	رہیں گے سوائے اس کے جس پر تمہارا ربّ
وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔	رحم کرے، اور اسی لئے انہیں پیدا کیا
[سورۃ "ھود": (۱۱) : ۱۱۹-۱۱۸]	ہے۔

اور اس لئے بھی کہ لوگوں میں وہ مدافعت باقی رہے جس سے خدا کا منشاء تہذیب و تمدّن کی تکمیل ہے :-

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم	اور اگر اللہ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ
بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ	کرا دیتا تو زمین فساد سے پُر ہو جاتی۔
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى	لیکن اللہ جہان والوں پر بہت فضل کرنے
الْعَالَمِينَ ۝	والا ہے۔

[سورۃ "البقرۃ": (۲) : ۲۵۱]

(یہ سب درست رہے گا) یہاں تک کہ "مقررہ میعاد" آ جائے اور امرِ خداوندی

کی تکمیل ہو۔

یہ دُنیاوی اغراض ہیں اور آنحضرتؐ نے اس کے بارے میں کوئی حکم دینے یا اس کی تدبیر کرنے سے انکار کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "تم لوگ اپنے دنیاوی کاروبار کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھنے والے ہو۔"

یہ اغراض دنیاوی میں سے ہے، اور دنیا شروع سے لے کر آخر تک، اور جو کچھ اس میں ہے اغراض و خواہشات ہیں، خدا کے نزدیک یہ تمام دنیاوی اُمور ہیچ ہیں کہ ان کی تدبیر کے لئے وہ لوگوں کو ان کی عقل کے مطابق عمل کرنے کے علاوہ کچھ کہتا۔ خدا نے ہمیں عقل بخشی ہے اور ہمیں ترغیبات اور لالچ پر تنبیہ کی ہے۔ ہمیں اس نے ہر چیز کے نام سکھائے ہیں۔ خدا اس بات کو بے کار تصور کرتا ہے کہ وہ ان کی خاطر کوئی نبی بھیجے، اور انبیاء کرام اس بات کو لغو خیال کرتے ہیں کہ وہ انہی میں مشغول ہو جائیں اور انہیں کی تدبیر سوچتے رہیں۔

(۹) شاید آپ کو سیرتِ نبوی میں کبھی کبھار کوئی ایسی بات نظر آجائے جو عملِ حکومت یا سلطنت و دولت کا کوئی مظہر معلوم ہو۔ لیکن یہ بات کہیں آپ کو شبہ میں نہ ڈال دے۔ کیونکہ اگر آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت یہ نہیں، بلکہ یہ تو آنحضرتؐ کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا جس پر وہ کبھی کبھی دین کے ثبات اور دعوت کی تائید کے لئے اعتماد کرتے تھے۔

یہ بھی عجب نہیں کہ جہاد بھی انہیں طریقوں میں سے ایک طریقہ ہو۔ یہ ایک سخت اور ظالمانہ طریقہ ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں بعض اوقات بھلائی کے لئے بُرائی ضروری ہو جاتی ہے اور اکثر تعمیر کے لئے تخریب لازمی ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "آپ مفتوح کئے اور محکوم بنائے بغیر نہ رہ سکے۔" ہم کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں میں سُنّت اللہ ہے، اور دُنیا میں ہمیشہ بدی اور نیکی، نیکوکار اور بدکار لوگوں میں جنگ

Marfat.com

چلی آئی ہے یہاں تک کہ خدا کی مرضی پوری ہو۔

"جب خدا کسی بنجر زمین کو زندہ کرنے، اس کی پیاس بجھانے اور اس میں خوش حالی فزوں تر کرنے کے لئے بارش نازل کرتا ہے تو کیا اس بات سے اس بارش کی قدر و قیمت کم ہو جائے گی کہ وہ اپنے راستے میں پہاڑوں کو روندتی ہوئی آئی اور پختہ ستونوں پر استادہ مکانوں کو گراتی ہوئی آئی؟" [۶]

قَالُوا غَزَوتَ وَرُسُلُ اللهِ مَا بُعِثَتْ ۔۔۔ لِقَتْلِ نَفْسٍ وَلَا جَاءَتْ لِسَفْكِ دَمِ

[وہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے جنگ کی درآنحالیکہ خدا کے رسول کسی کو قتل کرنے یا خون بہانے کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے]

جَهْلٌ وَتَضْلِيلُ أَحْلَامٍ وَسَفْسَفَةٌ ۔۔۔ فَتَحْتَ بِالسَّيْفِ بَعْدَ الْفَتْحِ بِالْقَلَمِ

[یہ جہالت ہے، واہمے کی گمراہی اور کذب و افترا ہے۔ آپؐ نے قلم سے فتح کرنے کے بعد تلوار سے فتح کیا]

لَمَّا أَتَى لَكَ عَفْوًا كُلُّ ذِي حَسَبٍ ۔۔۔ تَكَفَّلَ السَّيْفُ بِالْجُهَّالِ وَالْعَمَمِ

[جب ہر معزز شخص آپؐ کے پاس از خود آ گیا تو تلوار صرف جاہلوں اور عام لوگوں کی ضامن ہو گئی]

وَالشَّرُّ إِنْ تَلْقَهُ بِالْخَيْرِ ضِقْتَ بِهِ ۔۔۔ ذَرْعًا وَإِنْ تَلْقَهُ بِالشَّرِّ يَنْحَسِمِ

[اگر تم برائی کا مقابلہ نیکی سے کرو تو تم عاجز آ جاؤ گے لیکن اگر اس کا مقابلہ برائی سے کرو تو وہ مٹ جائے گی]

عَلَّمْتَهُمْ كُلَّ شَيْءٍ يَجْهَلُونَ بِهِ ۔۔۔ حَتَّى الْقِتَالَ وَمَا فِيهِ مِنَ الذِّمَمِ

[آپؐ نے انھیں ہر وہ بات سکھائی جو وہ نہ جانتے تھے یہاں تک جنگ اور اس سے متعلقہ

---

[۶] شیخ محمد عبدہٗ: "رسالۃ التوحید"، صفحہ (۱۲۳-۱۲۲)

Marfat.com

قواعد و ضوابط اور ذمہ داریاں بھی [۷]

(۱۰) آپ نے دیکھ لیا ہے کہ یہ صرف قرآن ہی نہیں جو ہمیں اس اعتقاد سے منع کرتا ہے کہ آنحضرتؐ رسالتِ دینی کے ساتھ ساتھ دولتِ سیاسی کی طرف بھی دعوت دیتے تھے، اور نہ صرف تنہا سُنّت ہی ہمیں اس بات سے روکتی ہے کتاب و سُنّت کے ساتھ عقل اور رسالت کے مفہوم و فطرت کا اقتضاء بھی ہمیں اس اعتقاد سے باز رکھتا ہے، آنحضرتؐ کی مومنین پر ولایت، رسالت کی ولایت تھی اور اس میں حکومت کا کوئی عنصر شامل نہ تھا۔

یقیناً! نہ تو وہاں حکومت تھی نہ ریاست، نہ اس میں سیاسی اغراض شامل تھیں اور نہ ملوک و امراء جیسی خواہشات۔

شاید اب آپ کو اس بات کا علم ہو گیا ہو جو آپ پہلے پوچھ رہے تھے — یعنی عہدِ نبوی کا مظاہرِ حکومت اور اغراضِ ریاست سے عاری ہونا — آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس وقت حکومت کا نظام موجود نہ تھا اور نہ اس کے لئے والی، قاضی یا دیوان وغیرہ تھے۔ شاید اب حیرت کی وہ تاریکی جس سے آپ دوچار تھے نور میں بدل گئی ہو، اور جسے آپ آتش سمجھتے تھے وہ خنکی اور راحت میں تبدیل ہو گئی ہو!

---

[۷] احمد بک الشوقی - (متوفی ۱۹۳۲ء) بلند پایہ شاعر قاہرہ میں پیدا ہوئے - وہاں اور فرانس میں تعلیم پائی - خدیوِ مصر توفیق نے اپنی معیت میں لے لیا - پہلی جنگ عظیم میں جب انگریزوں نے چالبازی سے خدیو کو تخت سے اُتار دیا تو انھیں بھی اہل و عیال سمیت وطن چھوڑ کر بارسلونا میں پناہ لینی پڑی، اور جنگ ختم ہونے تک واپس نہ آئے، قاہرہ ہی میں وفات پائی — مترجم)

Marfat.com

حصّہ سوم

خلافت اور حکومت تاریخ میں

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

وحدتِ دینی اور عرب

[۱۔ اسلام صرف عربوں کا ہی دین نہیں ہے ـــــ ۲۔ ملکِ عرب اور دینِ اسلام ـــــ ۳۔ سیاسی اختلاف کے باوجود عربوں کا دینی اتحاد ـــــ ۴۔ اسلام کے اسالیب دینی ہیں نہ کہ سیاسی ـــــ ۵۔ عہدِ نبوی میں عربوں میں سیاسی امتیاز کی کمی ـــــ ۶۔ آنحضرتؐ کی موت سے سرداری کا خاتمہ ـــــ ۷۔ آپؐ نے اپنے بعد کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا ـــــ ۸۔ خلافتِ علیؓ کے بارے میں شیعہ کا مذہب ـــــ ۹۔ ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں جماعتِ مسلمین کا مذہب۔]

(۱) جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے اسلام ایک بہترین اور بلند ترین دعوت ہے۔ جسے خدا نے ساری دنیا کے لئے بھیجا ہے خواہ وہ مشرقی ہوں یا مغربی، عرب ہوں یا عجمی، مرد ہوں یا عورت، امرا ہوں یا غربا، عالم ہوں یا جاہل، یہ وحدتِ دینی ہے، خدا کا مقصد یہ تھا کہ اس سے تمام نوعِ بشر کو مربوط کر دے اور ساری دنیا اس میں شریک ہو۔ اس لئے اسلام صرف دعوتِ عربی نہیں تھا۔ نہ ہی یہ

Marfat.com

وحدتِ عربی تھا اور نہ دینِ عربی ، اسلام کسی اُمّت کی دُوسری اُمّت پر، کسی زبان کی دُوسری زبان پر، کسی علاقے کی دُوسرے علاقے پر، کسی زمانے کی دُوسرے زمانے پر، یا کسی نسل کی دُوسری نسل پر تقویٰ کے سوا کوئی فوقیت تسلیم نہیں کرتا، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرتؐ عرب تھے اور فطرتاً عربوں سے محبت رکھتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے، اس کے علاوہ قرآن بھی عربی مبین میں تھا۔

(۳) اسلام کے لئے یہ لازمی تھا کہ وہ اس عالمِ وجود میں ظاہر ہو، ایک محکم حقیقت بن کر اس دُنیا کے حقائق میں شمار ہو اور خدا کی طرف سے اسے وہ رسول لے کر آئے جسے خدا نے منتخب کیا ہو تاکہ وہ اسے لوگوں تک پہنچائے۔

خداوند تعالیٰ کی رضا یہ تھی کہ وہ اس دعوت کے لئے اپنے رسول کو صرف قبائل عرب ہی سے چُنے اور عربوں میں سے بھی اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے منتخب فرمائے۔ اور اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے محمد صلعم بن عبداللہ کو پسند فرمائے۔ اس میں خدا کی بہت بڑی حکمت ہے۔ خواہ ہم اسے تسلیم کریں یا نہ کریں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ، مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

اور تمہارا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہے پسند کرے، انھیں (جھوٹے خداؤں) کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے اور تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے دل چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

[سورۃ "القصص" : (۲۸) : ۶۹-۶۸]

قرآن عربی میں ہے اور رسول بھی عربی ہے۔ اس لئے فطری طور پر یہ ناگزیر تھا کہ دوسروں تک پہنچنے سے پہلے دعوتِ اسلام عربوں ہی میں شروع ہو۔ تو یہ بات تعجب خیز ہے

کہ عرب ہی سب سے پہلی قوم ثابت ہو جس کے کانوں تک اس بشیر اور نذیر کی آواز پہنچے اور جنہیں یہ داعی سب سے پہلے خدا کی طرف بلائے اور جنہیں سب سے پہلے وہ ہدایت پر مجتمع کرے، اسی لئے آنحضرتؐ نے اس دعوت کی ابتدا سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے کی۔ پھر قومِ عرب میں آپؐ مسلسل اعلانِ حق کرتے رہے۔ خدا کی مدد ان کے شاملِ حال رہی یہاں تک کہ سب کے سب آپؐ کی دعوت پر ایمان لے آئے اور وہ لوگ اس رسولِ امینؐ کی قیادت کے تحت اس دین کی وحدت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے تھے۔

(۳) جیسا کہ آپ جانتے ہیں بلادِ عرب مختلف قسم کے عربوں سے آباد تھے، جن کے قبائل اور شعوب مختلف تھے اور لہجے بھی الگ تھے۔ ان کے علاقے بھی ایک دوسرے سے دور دور تھے۔ سیاسی وحدت کے لحاظ سے بھی ان میں بہت فرق تھا، ان میں سے بعض تو رومی سلطنت کے تابع فرمان تھے اور بعض مستقل طور پر خود مختار تھے۔ اسی لئے ان تمام عرب قبائل میں حکومت کے طریقے، تدبیر و انتظام کے اسلوب اور آداب و عادات خود بخود مختلف تھے، اور ان میں بہت تفاوت تھی، اسی طرح ان میں زندگی کے اقتصادی اور مادی پہلو بھی مختلف تھے۔

یہ مختلف النوع امتیں سب کی سب عہدِ نبوی میں دعوتِ اسلام کے گرد اور اس کے پرچم تلے جمع ہو گئیں اور خدا کے فضل سے یہ سب لوگ بھائی بھائی بن گئے جنہیں دین کا ایک ہی رشتہ آپس میں مربوط کرتا تھا اور صرف ایک مشترکہ ناطہ یعنی آنحضرتؐ اور ان کا لطف و احسان ان کو آپس میں ملاتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک ہی قوم بن گئے جن کا ایک ہی سردار تھا یعنی محمد صلعم۔

یہ وحدتِ عربی جو عہدِ نبوی میں نظر آتی ہے کسی صورت میں سیاسی وحدت نہ تھی اور نہ اس میں دولت اور حکومت کے کوئی آثار تھے، بلکہ یہ ہمیشہ ایک خالص دینی وحدت

Marfat.com

رہی جس میں سیاست کا شائبہ تک نہ تھا، یہ ایمان اور دین کی وحدت تھی نہ کہ حکومت اور ملوکیت کی وحدت۔

(۴) سیرت نبوی سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کیونکہ ہمیں یہ قطعاً معلوم نہیں کہ آپؐ نے کبھی دوسری قوموں کے سیاسی معاملات میں کوئی دخل دیا ہو۔ نہ آپؐ نے ان قوموں کے طرزِ حکومت کو تبدیل کیا تھا اور نہ ہر قبیلے کے اپنے نظامِ حکومت و قضا کو بدلا تھا۔ آپؐ نے کبھی یہ کوشش نہ کی کہ ایک قبیلے کے دوسرے قبیلے کے ساتھ اجتماعی اور اقتصادی تعلقات کو بدلا جائے۔ نہ ہم نے یہ سُنا ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی والی کو معزول کیا یا کسی قاضی کو مقرر کیا۔ یا لوگوں پر کوئی حاکم اور محافظ مقرر کئے آپؐ نے ان کی تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے لئے بھی کوئی قواعد وضع نہ کئے، بلکہ آپؐ نے یہ تمام معاملات خود ان پر چھوڑ دیئے اور ان سے فرمایا: "کہ تم ان کے بارے میں زیادہ جانتے ہو"۔ اسی لئے ہر قوم اور قبیلے کا اپنا تمدن، اپنی سیاست، اپنی حکومت اور اپنا نظام تھا۔ اور انھیں وحدتِ اسلام اور اس کے قواعد و آداب کے سوا (جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں) کوئی اور چیز آپس میں منسلک نہ کرتی تھی۔

ممکن ہے بعض اوقات یہ کہا جائے کہ جو قواعد، آداب اور قوانین آنحضرتؐ عرب و غیر عرب قوموں کے لئے لائے تھے بہت وسیع تھے اور بڑی حد تک یہ تمام قوموں اور قبائل کے مظاہرِ حیات کا احاطہ کرتے تھے۔ ان میں تعزیرات، فوج، جہاد، لین دین، قرض، رہن وغیرہ کے قواعد اور نشست و برخاست، رفتار و گفتار کے آداب بھی تھے۔ اس لئے وہ جس نے تمام عربوں کو ان وسیع قواعد کا پابند بنایا اور ان کے مختلف طریقوں، آداب اور قوانین کو اس بڑی حد تک جو اسلام لے کر آیا تھا ایک کر دیا۔ اسی نے ان کے تمام مدنی نظاموں کو متحد کر دیا۔ اور اسی سبب سے انھیں سیاسی وحدت قرار دیا۔ اس لئے وہ اس وقت ایک ریاست تھے اور آنحضرتؐ ان کے سردار اور حاکم تھے۔

لیکن اگر آپ ذرا غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر وہ بات جس کو اسلام نے شریعت بنایا اور جس کی پابندی مسلمانوں پر ان کے نبیؐ نے عائد کی ـــــ مثلاً نظام و قواعد آداب وغیرہ ـــــ اس میں سیاسی حکومت کے طریقے کم و بیش بالکل نہ پائے جاتے تھے اور نہ اس میں مدنی سلطنت کے قواعد تھے، ان سب کو اگر باہم جمع کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ ان اصولِ سیاست اور قوانین کا جو کسی مدنی حکومت کے لئے لازم ہوتے ہیں ایک جزو قلیل بھی نہیں بنتے۔

اسلام نے جو عقائد، معاملات، آداب، اور تعزیرات بیان کی ہیں وہ شریعت دین ہیں اور محض اطاعتِ خداوندی اور انسان کی دینی بہبود سے متعلق ہیں، اس کے بعد اس میں کچھ فرق نہیں کہ یہ دینی مصلحتیں ہم پر ظاہر ہو جائیں یا مخفی رہیں، اور یہ بات بھی یکساں ہے کہ ان میں انسان کی کوئی مصلحتِ مدنی ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کی طرف آسمانی شریعت یا رسولؐ نے کوئی توجہ نہیں کی۔

اِس لئے اگرچہ شریعتِ اسلام نے عربوں کو مجتمع کر دیا۔ تاہم ان کی سیاست اور زندگی کے دُوسرے مدنی، اجتماعی اور اقتصادی مظاہر میں بہت بُعد رہا۔ اب یہ قول اس کے مترادف ہے کہ وہ مختلف سلطنتیں تھیں ـــ اس حد تک جیسا کہ اس وقت عربوں کی زندگی میں دولت اور حکومت کے معنی لئے جاتے تھے۔

(۵) جب نبی کریمؐ کا انتقال ہوا تو اس وقت عربوں کی یہ حالت تھی کہ ان میں دینی اتحاد تو تھا، لیکن اُن کے اندر مختلف حکومتیں تھیں، اور چند ایک اُمور کے سوا اُن سب میں مکمل اختلاف تھا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں آپؐ سے اس اختلاف کا ذکر پوشیدہ نہ رہ جائے جس کے متعلق ہم نے کہا ہے کہ وہ عہدِ نبوی میں امم عرب میں موجود تھا اور ایسا نہ ہو کہ آپ کو وہ دلفریب اور بظاہر پُرکشش تصویر دھوکے میں ڈال دے جو

Marfat.com

مؤرخین اس عہد کی کھینچے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے تو یہ جان لیجئے کہ فنِ تاریخ میں بہت کچھ خامیاں ہیں اور تاریخ نے اکثر غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اکثر اس میں گمراہی پائی جاتی ہے۔

دوسری بات یہ جان لیجئے ـــــ اور یہ حقیقت ہے ـــــ کہ جب اسلام نے عربوں کے دل جوڑ دیئے، انہیں ایک ہی دین پر مجتمع کر دیا اور انھیں ایک ہی قسم کے نظام اور آداب میں شریک کر دیا، تو ان کے اکثر اختلافات اور بُعد کے آثار مٹ گئے۔ تیسری بات جس کا اشارہ ہم پہلے کر چکے ہیں، آنحضرتؐ کی دینی سرداری کا اثر ہے۔ اس وجہ سے کوئی تعجب نہیں کہ امم عرب کے اختلاف کی علامات دھندلا گئی ہوں اور اس کے آثار چھپ گئے ہوں، اس کی تیزی کم اور شدت ختم ہو گئی ہو۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ	اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم
كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ	آپس میں دشمن تھے۔ پھر تمہارے دلوں کو ملا
فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَ	دیا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو
كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ	گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر
النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔	تھے پھر تمہیں اس سے نجات دی۔

[سورۃ آلِ عمران: (۳: ۱۰۲ (یا ۱۰۳)]

لیکن اس کے باوجود عرب ہمیشہ مختلف اُمتوں اور مختلف سلطنتوں میں بٹے رہے یہ بات فطری تھی، اور جو فطری نہ تھا اس کی حدت کم ہوتا اور اس کی علامات کا گھٹ جانا ممکن تھا، لیکن کسی حالت میں بھی اس سے پوری طرح نجات ممکن نہ تھی۔

آنحضرتؐ کی وفات کے ساتھ ہی عربوں میں اس اختلاف اور انتشار کے نشان پھر ظاہر ہونے لگے اور ان میں سے ہر قبیلہ اور ہر جماعت پھر اپنی انفرادی اور ممتاز شخصیت اور دوسروں سے الگ اپنے مستقل وجود کا خیال کرنے لگی اور قریب تھا کہ وہ اتحادِ عربی

جو آنحضرتؐ کی زندگی میں مکمل ہو گیا تھا پھر ختم ہو جائے ۔" اکثر عرب مرتد ہو گئے، سوائے اہلِ مدینہ، مکہ اور طائف کے جو ارتداد میں شامل نہ ہوئے۔" [۱]

(۶) جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے عربوں کی وحدت اسلامی وحدت تھی نہ کہ سیاسی اور آنحضرتؐ کی قیادت دینی قیادت تھی نہ کہ مدنی، اور عربوں کی اطاعت عقیدے اور ایمان کی وجہ سے تھی نہ کہ حکومت اور اقتدار کے سبب، اور ان کا رسولؐ کے گرد اجتماع خالصتاً خدا کے لئے تھا جس کے ذریعے اُنھیں وحی کی ہدایات، آسمانی برکتیں اور خداوند تعالیٰ کے اوامر و نواہی ملتے تھے :-

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ [سورۃ "آل عمرانؑ" (۳) : ۱۶۴] اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے۔

یہ سعادت محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب الہاشمی القرشی کے لئے تھی۔ ان کی شخصیت اور حسب و نسب کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ آپؐ رسولُ اللہ تھے۔" وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔" (وہ اپنی خواہشات کے مطابق گفتگو نہ کرتے تھے) [سورۃ "النجم" : (۵۳) : ۳] بلکہ خدا کی طرف سے معزز فرشتوں کی وساطت سے بولتے تھے، اور جب آپؐ اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے تو کوئی اور شخص اس کا سزاوار نہ تھا کہ آپؐ کا منصب دینی سنبھال سکتا۔ کیونکہ آپؐ "خَاتَمُ النَّبِيِّينَ" [سورۃ "الاحزاب (۳۳) : ۴۰] تھے اور خدا کی رسالت کا رسول کے سوا کوئی اور وارث نہ ہو سکتا تھا جو نہ تو کسی کو عطا کی جا سکتی تھی اور نہ منتقل ہو سکتی تھی۔

(۷) آنحضرتؐ نے اپنی وفات تک کسی کو اپنا قائم مقام نامزد نہ کیا، اور نہ اس بات کی طرف کوئی اشارہ ہی کیا کہ آپؐ کی اُمت میں کون ان کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ بلکہ آپؐ نے زندگی بھر کسی ایسی بات کی طرف بھی اشارہ نہ کیا جس سے "دولتِ اسلامیہ"

---

[۱] ابو الفداء، جلد (۱)، صفحہ (۱۴۲)۔

Marfat.com

یا" دولتِ عربیہ کا مفہوم لیا جا سکتا ہو۔

حاشا! آنحضرتؐ کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ آپؐ نے خُدا کی طرف سے عطا کی ہوئی رسالت کو کامل طور پر ادا نہ کر لیا اور جب تک آپؐ نے اپنی اُمّت کے لئے قواعدِ دین پُورے کے پُورے مقرّر نہ کر دیئے۔ جن میں نہ تو کوئی اشتباہ تھا اور نہ ابہام، اور پھر اگر آپؐ کا مقصد کسی سلطنت کا قیام ہی تھا تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپؐ اس کی کیفیّت کے بارے میں مسلمانوں کو لاعلم چھوڑ جاتے کہ وہ آپؐ کے بعد حیران و ششدر رہ جاتے اور ایک دُوسرے کے گلے کاٹنا شروع کر دیتے؟ اور یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپؐ کبھی اس معاملے پر غور بھی نہ فرماتے کہ آپؐ کے بعد کون اس سلطنت کا وارث ہوگا؟ حالانکہ یہ وہ ضروری امر ہے جس کی طرف ہر زمانے میں سلطنتوں کے بانیوں نے سب سے پہلے توجّہ کی ہے۔ آپؐ نے کیوں کوئی ایسا مشورہ نہ دیا جس سے کہ مسلمان آپؐ کے بعد ہدایت پا سکتے؟ اور کیوں آپؐ انھیں اُس حیرت و تفکّر کی تاریکی میں چھوڑ گئے جو ان پر مسلّط ہوگئی جس کی ظلمت میں وہ ایک دُوسرے کے گلے کاٹنے والے تھے۔ حالانکہ ابھی آنحضرتؐ کی نعشِ مبارک ان کے درمیان موجود تھی جس کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہوئی تھی؟

(۸) یہ بات جان لینا بھی ضروری ہے کہ اہلِ شیعہ سب کے سب اس بات پر متّفق ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنے بعد حضرت علیؓ کو مسلمانوں کی خلافت پر متعیّن فرمایا تھا، ہم نہیں چاہتے کہ اس بحث مباحثہ کو طول دیں اور اس پر زیادہ وقت صرف کریں کیونکہ عملی اور علمی لحاظ سے یہ اس قابل نہیں کہ اسے قابلِ التفات سمجھا جائے۔

ابنِ خلدون نے کہا ہے کہ وہ روایات" جنھیں وہ اپنے مذہب کے مطابق نقل کرتے اور ان کی تفسیر کرتے ہیں۔ بہت سے علماءِ سُنّتِ نبوی اور ناقلینِ شریعت

انھیں جانتے بھی نہیں، بلکہ ان میں سے اکثر وضع کی ہوئی ہیں یا مشکوک ہیں یا اپنی غلط تاویلات سے بہت مختلف ہیں" [۲]

(۹) امام ابنِ حزم الظاہری نے ان لوگوں کی رائے اختیار کی ہے (جو یہ کہتے ہیں) کہ رسول اللہ نے اپنے بعد امورِ رعیت کی خاطر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق ایک واضح حکم چھوڑا ہے، اور اس لئے کہ مہاجرین و انصار کے متفقہ اجماع نے انھیں خلیفۂ رسول اللہ منتخب کیا تھا" اور لغت میں خلیفہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص جسے نبی خود اپنا قائم مقام مقرر کرے نہ کہ وہ جو بغیر اس کی طرف سے نامزد ہوئے اس کا قائم مقام بن جائے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ لسانی اور لغوی طور پر اس کے علاوہ اس کے کچھ اور معنی درست نہیں"۔ [۳] اور اس پر انھوں نے مفصل بحث کی ہے۔

اس رائے کا ماننا بہت مشکل ہے اور ہمیں اس کی کوئی صحیح وجہ نظر نہیں آتی، ہم نے اکثر کتبِ لغت کا جو ہمیں مل سکیں مطالعہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی میں بھی ہمیں کوئی ایسے معنی نظر نہیں آئے جو امام ابن حزم کے کلام کی تائید کر سکیں۔ اس کے برعکس ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر راویوں نے بالاجماع بیعت ابوبکرؓ پر صحابہؓ کا اختلاف روایت کیا ہے اور یہ بھی کہ کئی ثقہ لوگوں نے اس سے پہلوتہی کی تھی، اور حضرت عمرؓ کا یہ قول ان کے اس قول کی معذرت ہے جو انھوں نے آنحضرتؐ کی وفات کے موقع پر کہا تھا [۴]

---

[۲]: "مقدمہ" ابن خلدون، صفحہ (۱۷۶)۔

[۳]: "الفصل فی الملل والأهواء والنحل"، جلد (۴)، صفحہ (۱۰۷) وبعد۔

[۴]: جب آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی تو حضرت عمرؓ یہ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے کہ "منافقین میں سے اکثر یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا ہے، خدا کی قسم! رسولِ خدا نے وفات نہیں پائی۔ وہ تو صرف اپنے خدا کے پاس گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اُنھوں نے کہا: "اے لوگو! میں نے کل تم سے ایسی بات کہی تھی جو میری ذاتی رائے تھی اور میں نے اسے کتاب اللہ میں نہیں پایا۔ نہ یہ کوئی پیمان یا عہد تھا جو آنحضرتؐ نے مجھ سے باندھا ہو۔ لیکن میرا یہ خیال تھا کہ آنحضرتؐ ہمارے اُمور کی نگرانی، ہمارے آخری وقت تک فرماتے رہیں گے۔ اب خدا نے تمھارے درمیان اپنی کتاب کو باقی رکھا ہے جس سے خود آنحضرتؐ ہدایت حاصل کرتے تھے۔ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑا تو خدا تمھیں بھی اسی طرح ہدایت دے گا جس طرح کہ ان کو دی تھی۔ خدا نے اب تمھارے اُمور تم میں سے بہترین شخص کے سپرد کر دیئے ہیں جو آنحضرتؐ کے دوست ہیں اور ان دو میں سے ایک ہیں جب وہ دونوں غار میں تھے۔ پس اُٹھو اور بیعت کرو۔" [۵]

ہم نے یہ اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ تو دیکھا ہے، اور ہم نے یہ جانا ہے کہ یہ رائے ماننا بہت غیر ثقہ اور غیر ممکن ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے بعد خلافت کا معاملہ طے کر دیا تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے بعد حکومت کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا اور نہ اس مسئلے پر مسلمانوں کی ہدایت کے لئے کوئی شریعت پیش کی۔

آنحضرتؐ کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ دین مکمل نہیں ہو گیا اور اتمامِ نعمت نہیں ہوا اور دعوتِ اسلام درحقیقت راسخ نہیں ہو گئی۔ جس دن یہ ہو گیا۔ اس دن آپؐ کا انتقال ہو گیا اور آپؐ کی رسالت ختم ہو گئی اور وہ خاص رشتہ جو آپؐ کی ذاتِ بابرکات کے سبب زمین اور آسمان میں تھا منقطع ہو گیا۔

(بقیہ پچھلے صفحہ سے نوٹ: ۴) گئے تھے اور اپنی قوم سے چالیس راتیں غائب رہے تھے اور اس کے بعد واپس تشریف لے آئے تھے۔ حالانکہ ان کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔ خدا کی قسم! آنحضرتؐ ضرور واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ آپؐ وفات پا گئے ہیں۔ [تاریخ طبری۔ جلد (۳) صفحہ (۱۹۷)]

[۵]: تاریخ طبری جلد (۲) صفحہ (۲۰۳)

Marfat.com

دُوسرا باب

دولتِ عربیّہ

[۱۔ آنحضرتؐ کے بعد سیادت صرف سیاسی سیادت ہے ——— ۲۔ اسلام کا اثر عربوں پر ——— ۳۔ دولتِ عربیہ کی ابتداء اور ارتقاء ——— ۴۔ بیعت میں عربوں کا اختلاف۔]

(۱) جیساکہ ہم نے پہلے کہا ہے آنحضرتؐ کی سیادت صرف دینی سیادت تھی، جو محض رسالت کے سبب انھیں ملی تھی۔ آپؐ کی وفات سے رسالت ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی سیادت بھی۔ جس طرح یہ ممکن نہ تھا کہ رسالت میں کوئی آپؐ کا نائب ہوتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہ تھا کہ سیادت میں آپ کا کوئی شخص خلیفہ بنتا،

لیکن اگر یہ ضروری تھا اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد آپؐ کے پیروؤں کو سیادت کے بغیر چارہ نہ تھا تو یہ بالکل نئی قسم کی سیادت تھی اور اس سیادت سے بہت مختلف تھی جو آنحضرتؐ سے متعلق تھی۔

یہ بات واضح طور پر فطری اور معقول ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد دینی سیادت کا وجود ختم ہوجائے، اور وہ چیز جس کا ہونا آپ کے بعد تصور میں آسکتا ہے نئی قسم کی سیادت ہے جو

Marfat.com

نہ تو رسالت سے متعلق ہے اور نہ دین پر اس کا دار و مدار ہے۔ اس لئے وہ "لادینی" قسم کی سیادت ہے۔ اگر سیادت لادینی ہو تو وہ سیاست، مدنی و سیاسی سے یک سرِ مُو مختلف نہیں۔ یہ حکومت اور اقتدار کی سیادت ہے نہ کہ دین کی، اور یہ بعینہٖ ایسی تھی۔

(۲) دعوتِ اسلامی نے مختلف پہلوؤں سے عرب قبائل کی حالت بہتر بنادی تھی، اور جب تک رسولِ کریمؐ انہیں اسلام کی طرف بُلاتے رہے اُن کی یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے زمانے میں ایک ہی اُمّت بن گئے جو دوسری اُمتوں سے افضل تھے، اور دُوسری قوموں کی طرح انہیں بھی حکمران اور مستعمرین بننے کی تربیت دی گئی۔

ان کا عقیدہ شرک کی نجاست سے پاک تھا اور ایمان دل کی گہرائیوں میں راسخ تھا۔ اُن کے اخلاق آنحضرتؐ نے مہذّب بنائے تھے، فطرتِ سلیم نے ان کی ذہانت کی تکمیل کی تھی۔ ان میں ایک سرخوشی اور ولولہ تھا جسے ان کی طبیعت نے شدید کیا تھا۔ اتحادِ خداوندی نے ان کی دُوریوں کو قریب کر دیا تھا اور اختلافات رفع کر دیئے تھے اور انھیں دینِ خدا میں بھائی بھائی بنا دیا تھا، ——— یہ تھی عربوں کی حالت جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی۔

عربوں جیسی بلند ہمّت اور ترقّی پذیر قوم کے لئے سیادتِ نبوی کے اُٹھ جانے کے بعد یہ ممکن نہ تھا کہ وہ پھر اپنی خوشی سے اُسی حالت کو لوٹ جاتے جس میں وہ پہلے تھے یعنی وہ پھر سے ایک جاہل قوم، ایک منتشر گروہ، باہم دشمن قبائل اور کمزور و حقیر بن جاتے، جب خدا نے کسی قوم کے لئے قوّت اور غلبے کے اسباب فراہم کئے ہوں تو یہ ضروری ہے کہ وہ قوی اور غالب بن جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نوشتۂ تقدیر میں سے اپنا پُورا حصّہ حاصل کر لے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ ایک دولتِ عرب قائم ہو جاتی جس طرح کہ اس سے پہلے اور بعد میں بھی سلطنتیں قائم ہوئیں۔

(۳) عربوں سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ خُدا نے ان کی سلطنت کے اسباب مہیّا

Marfat.com

کر دیئے ہیں اور اس کی راہیں ہموار کر دی ہیں، بلکہ اس کا احساس تو اُنھیں آنحضرتؐ کی وفات سے پہلے ہی ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن دراصل آپؐ کی وفات کے بعد اُنھوں نے ایک سیاسی سلطنت کے بارے میں باہم مشورہ کرنا شروع کر دیا تھا جس کا اُس دینی وحدت پر قائم ہونا ناگزیر تھا جو آنحضرتؐ اپنے بعد اُن کے درمیان چھوڑ گئے تھے۔ "ہر نبوّت کے بعد جابرانہ حکومت ناگزیر ہے، اور آنحضرتؐ کی نبوّت اس وقت تک رہی جب تک کہ جابرانہ حکومت نے اُسے ختم نہ کر دیا۔" [۱] اُس وقت عرب صرف ایک مملکت قائم کرنے، سلطنت مضبوط بنانے، اور حکومت کی بُنیاد رکھنے کے بارے میں مشورہ کرتے تھے۔ اِسی لئے اُن کی زبانوں پر امارت اور امراء، وزارت اور وزراء کے الفاظ جاری ہو گئے تھے اور وہ صرف قوّت و شمشیر، عزّت و ثروت، تعداد اور طاقت، رعب اور فوقیت وغیرہ کی باتیں کرتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ وہ حکومت کے نشے میں سرشار تھے اور سلطنت کے قیام میں محو تھے۔ مہاجرین اور انصار، اور بعض صحابہ کبارؓ کا آپس میں تنازع اسی کا نتیجہ تھا۔ یہاں تک کہ بیعتِ ابوبکرؓ کی تکمیل ہو گئی۔ چنانچہ وہ اسلام کے سب سے پہلے بادشاہ تھے۔

اگر آپ اس بات پر غور کریں کہ بیعتِ ابوبکرؓ کی تکمیل کیسے ہوئی اور ان کی حکومت کیسے قائم ہوئی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ محض سیاسی اور سلطانی بیعت تھی۔ اس پر ایک نئی سلطنت کے نقوش پُورے طور پر ثبت تھے، اور وہ اسی طرح قائم ہوئی جس طرح اور حکومتیں قائم ہوتی ہیں یعنی قوّت و شمشیر کی بنیاد پر۔

یہ وہ نئی سلطنت تھی جس کی بنا عربوں نے ڈالی تھی۔ یہ خالص عربی سلطنت تھی۔ اور عربی حکومت تھی۔ لیکن جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے اسلام تمام انسانیت کا مذہب

---

[۱]: یعنی جب تک ملوک نے اس کے بعد جبر و ظلم کرنا شروع نہ کر دیا۔ [اساس البلاغۃ از زمخشری] - [مراد یہ ہے کہ ہر نبی کے بعد جابرانہ حکومت قائم ہو گئی]

Marfat.com

ہے۔ یہ نہ عربی ہے اور نہ عجمی۔ دولتِ عربیّہ دعوتِ دینی کی بنیاد پر تعمیر ہوئی تھی۔ اس کا شعار اس دعوت کی حمایت، اور اس کا مقصد اس کا قیام تھا۔ اس لئے اس دعوت کے معاملات میں اس کا بہت بڑا اثر تھا، اور اسلام کے ارتقاء اور نشو ونما میں اس کا لامحالہ بہت بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ "دولتِ عربیّہ" ہونے کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ جس نے اقتدارِ عرب کی تائید کی، عربوں کی مصلحتوں کی ترویج کی اور انھیں دُنیا بھر میں متمکّن کر دیا۔ اُنھوں نے دُنیا کو خُوب آباد کیا اور اس کی عمدہ اور پسندیدہ باتوں سے اچھی طرح مستفید ہوئے۔ یہ ان قوی اور مضبوط قوموں کی شان ہے جو فتح و استعمار پر قادر ہو جاتی ہیں۔

(۴) جب مسلمان سقیفہ بنی ساعدہ میں اس معاملے پر گفت و شنید کر رہے تھے کہ حکومت کس کے سُپرد کریں تو وہ اس بات کو خوب سمجھتے تھے۔ جب انصار نے مہاجرین سے کہا: "ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے"۔ جس پر حضرت ابوبکرؓ نے انھیں یہ جواب دیا تھا کہ: "ہم میں سے امیر ہوں گے اور تم میں سے وزیر" [۲] اور جب ابوسفیان نے پُکار کر یہ کہا تھا: "خُدا کی قسم! میں ایسی آندھی اُٹھتے دیکھ رہا ہوں جسے خون کے سوا کوئی چیز نہ روک سکے گی۔ اے آلِ عبدِ مناف! ابوبکرؓ کو تمھارے اُمور سے کیا تعلق؟ کہاں ہیں علیؓ اور عباسؓ وہ دو کمزور اور مظلوم (ضعیف اور منکسر مزاج) شخص؟" اور پھر اُس نے کہا: "اے ابوحسن! اپنا ہاتھ بڑھاؤ کہ میں تمہاری بیعت کر دوں"۔ حضرت علیؓ نے اس سے انکار کیا اور متلمّس (ایک جاہلی شاعر) کے یہ شعر پڑھے:-

وَلَنْ يُقِيمَ عَلَى ضَيْمٍ يُرَادُ بِهِ ۔۔۔ إِلَّا الْأَذِلَّانِ عَيْرُ الْحَيِّ وَالْوَتَدُ

[کوئی شخص اس ذلّت پر رضامند نہ ہوگا جو اس پر لادی جانے کی کوشش کی جا رہی ہے، سوائے دو ذلیل چیزوں کے ایک تو قبیلے کا اُونٹ اور دُوسرا کھونٹا]۔

---

[۲]: تاریخ طبری: جلد (۳)، صفحہ (۱۹۸)۔

هٰذا على الخسفِ مربوطٌ برمّتهِ　　وذا يُشَجُّ فلا يبكي له أحدُ [۳]

[یہ تو (یعنی اونٹ) رسّے سے بندھا ہوا ہے اور دوسرا (کھونٹا) ٹوٹا ہوا ہے جس پر کوئی رونے والا بھی نہیں]

اور جب سعدؓ بن عبادہؓ (سردار خزرج) نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کو ترک کر دیا تھا اور کہا تھا: "خدا کی قسم! جب تک میں تمھیں اپنے ترکش کے تیروں سے نہیں ماروں گا اور اپنے نیزے کی انی کو رنگین نہیں بناؤں گا اور اپنی اس تلوار سے جب تک یہ میرے ہاتھ میں ہے تم سے جنگ نہیں کروں گا، اور تم سے اپنے رشتہ داروں اور اپنے تمام ہم قوموں سمیت جو میری اطاعت کریں گے جنگ نہیں کروں گا، خدا کی قسم! اُس وقت تک میں بیعت نہیں کروں گا۔ اگر تمام جنّات بھی انسانوں کے ساتھ مل کر تمھاری طرف ہو جائیں تو میں تمہاری بیعت اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک کہ میں اپنے خدا کے حضور میں پیش نہ کر دیا جاؤں اور میرا حساب کتاب نہ ہو جائے (یعنی قیامت تک)" چنانچہ سعدؓ بن عبادہ نہ تو ان کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ان سے ملتے تھے۔ وہ حج تو کرتے تھے لیکن تمام مناسک میں ان کے ساتھ شامل نہ ہوتے تھے۔ ان کا عمل یہی رہا یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ [۴]

مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ وہ ایک مدنی اور دنیاوی حکومت کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی لئے وہ اس سے بغاوت اور اختلاف جائز سمجھتے تھے۔ اُنھیں یہ بھی علم تھا کہ وہ صرف امورِ دنیا میں سے ایک امر میں اختلاف رکھتے ہیں نہ کہ امورِ دین میں سے اور یہ کہ وہ صرف سیاسی معاملات میں مخالفت رکھتے ہیں جن سے دین کو کوئی تعلق نہیں اور نہ ان کا ایمان انھیں اس سے روکتا ہے۔

---

[۳]: تاریخ طبری: جلد (۳)، صفحہ (۲۰۲) وبعد۔

[۴]: تاریخ طبری: جلد (۳)، صفحہ (۲۱۰)

Marfat.com

حضرت ابوبکرؓ اور دیگر حضرات نے یہ کبھی خیال بھی نہیں کیا کہ مسلمانوں کی یہ قیادت کوئی دینی عہدہ ہے اور نہ یہ گمان کیا کہ اس کے خلاف بغاوت دین سے بغاوت ہے۔ حضرت ابوبکرؓ تو صرف یہ فرماتے تھے کہ: "اے لوگو! میں تو تمہاری ہی طرح ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے ان باتوں پر مجبور نہیں کرو گے جو رسول اللہ صلعم کی استطاعت میں تھیں۔ خدا نے محمدؐ کو دونوں جہانوں میں انتخاب فرمایا تھا اور انھیں تمام آفات و مشکلات سے بچایا تھا۔ میں تو صرف تابع ہوں نہ کہ مبتدع (یعنی میں صرف ان کے عمل پر چلنے والا ہوں نہ کہ کوئی نئی بات پیدا کرنے والا ہوں)[۵]

لیکن اس وقت بہت سے ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ (کی خلافت) پر کسی قدر دینی رنگ چڑھا دیا اور بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ دینی عہدے کے مالک تھے جس میں وہ آنحضرتؐ کے قائم مقام تھے۔ اسی طرح یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی قیادت دینی منصب ہے اور آنحضرتؐ کی نیابت ہے۔

سب سے اہم سبب جس نے مسلمانوں میں اس خیال کی پرورش کی ہے وہ لقب ہے جو ابوبکرؓ نے استعمال کیا تھا یعنی "خَلِیفَۃُ رَسُولِ اللّٰہ"۔

---

[۵] تاریخ طبری: جلد (۳)، صفحہ (۲۱۱)۔

Marfat.com

تیسرا باب

خلافتِ اسلامی

[۱۔ "خلیفۂ رسول اللہ" کے لقب کا ظہور ——— ۲۔ حضرت ابوبکرؓ کے "خلیفۂ رسول اللہ ہونے کا حقیقی مطلب ——— ۳۔ یہ لقب اختیار کرنے کی وجہ ——— ۴۔ حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو "مرتد" کا لقب دینا ——— ۵۔ سب باغی مرتد نہیں ہوئے تھے ——— ۶۔ زکوٰۃ سے انکار کرنے والے ——— ۷۔ سیاسی، نہ کہ دینی، جنگیں ——— ۸۔ کچھ لوگ درحقیقت مرتد تھے ——— ۹۔ حضرت ابوبکرؓ کا دینی اخلاق ——— ۱۰۔ اس اعتقاد کی ابتدا کہ "خلافت منصب دینی ہے" ——— ۱۱۔ اس اعتقاد کی ترویج میں بادشاہوں کا ہاتھ ——— ۱۲۔ دین میں کوئی خلافت نہیں۔]

(۱) ہمارے لئے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ وہ کیا خاص سبب تھا جس نے کسی شخص کو حضرت ابوبکرؓ کے لئے "خلیفۂ رسول اللہ" کا لقب ایجاد کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی اجازت دی تھی اور اسے پسند کیا تھا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ انھوں نے اس لقب کا استعمال ان خطوں میں کیا ہے جو انھوں نے مرتد قبائل عرب

Marfat.com

کو اور سپہ سالارانِ لشکر کو لکھے تھے۔ شاید حضرت ابوبکرؓ نے انھیں میں سب سے پہلے یہ لقب استعمال کیا تھا کیونکہ اس کا اوّلین استعمال اسی ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے [۱]۔

(۲) اس میں شک نہیں کہ رسولِ کریمؐ عربوں کے سردار اور ان کے اتحاد کا باعث تھے۔ (جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) جب ان کے بعد حضرت ابوبکرؓ عربوں کے بادشاہ بنے اور ایک نئے سیاسی طریقے پر ان کی وحدت کو قائم کیا تو عربوں کی زبان میں اس لحاظ سے یہ لفظ ــــ کہ وہ "خلیفہ رسول اللہ" ہیں ــــــ مقبول ہو گیا، جیسے کہ انھیں محض "خلیفہ" کہنا رائج ہے۔ (جس طرح ہم نے خلافت کے معنی بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے) چنانچہ اس معنی میں حضرت ابوبکرؓ رسول کے جانشین (قائم مقام، خلیفہ) تھے۔ اس کے علاوہ "خلافت" کے اور کچھ معنی نہیں۔

(۳) اس لقب میں رُعب، قوّت اور جاذبیّت ہے، اس لئے کچھ عجب نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُسے اختیار کر لیا ہو کیونکہ وہ ایک نئی سلطنت کے بانی تھے جس کی حدود کو وہ فتنوں کی آندھیوں سے بچانا چاہتے تھے اور خواہشات و اغراض کے تند بگولوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اور خود اس قوم سے بھی حفاظت کرنا چاہتے تھے جو ابھی ابھی جاہلیت سے آزاد ہوئی تھی اور جس میں ابھی عصبیّت اور شدید اکھڑپن موجود تھا اور جو اطاعت پذیر نہ تھی۔ لیکن اُسے ابھی آنحضرتؐ کا عہدِ مبارک بھی یاد تھا۔ ان کی طرف اطاعت بھی یاد تھی اور ان کے ایک ایک لفظ پر سر جھکانا بھی یاد تھا۔ اس لئے یہ لقب اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عربوں کی سرکشی کو روک سکے اور ان لوگوں کو رام کر سکتا تھا جو لگام سے باہر ہو گئے تھے، شاید یہ مقصد اس سے پورا ہو گیا تھا۔

عربوں میں سے ایک جماعت نے یہ گمان کیا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ہر معنی میں رسولِ کریمؐ کی حقیقی خلافت ہے۔ اسی لئے اُنھوں نے کہا کہ "ابوبکرؓ محمدؐ کے

---

[۱]: تاریخ طبری، جلد (۳)، صفحہ ۲۲۷-۲۲۶

خلیفہ ہیں۔" اور محمدؐ خدا کے خلیفہ تھے، چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو "خلیفۃ اللہ" کہنا شروع کر دیا۔ اگر خلافتِ صدیقی کے معنی وہی ہوتے جو وہ سمجھتے تھے تو شاید وہ غلطی پر نہ ہوتے اور ان میں سے اکثر اب تک یہی سمجھتے ہیں لیکن حضرت ابوبکرؓ اس لقب پر سخت ناراض ہوئے اور انھوں نے کہا: "میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں بلکہ خلیفۂ رسول اللہ ہوں"۔ [۲]

(۴) اس لقب نے عربوں اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس بات پر اُکسایا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کی اسی طرح دینی لحاظ سے اطاعت کریں جیسے کہ وہ آنحضرتؐ کی کرتے تھے، اور ان کے مرتبۂ شاہی کی اُسی قدر عزّت کریں جیسی کہ دین سے تعلّق رکھنے والی ہر بات کی ضروری ہے۔ اسی لئے ان کے رائے میں حضرت ابوبکرؓ سے بغاوت دین سے بغاوت تھی اور اسلام سے ارتداد تھا۔ ہماری رائے میں یہ عین ممکن ہے کہ ان لوگوں کے یہ کہنے کا کہ "جو لوگ ابوبکرؓ کی اطاعت سے تارک ہو گئے ہیں وہ مرتد ہیں" یہی سبب ہو، اور اسی لئے وہ حضرت ابوبکرؓ کی جنگوں کو "حروبِ رِدّۃ" کہتے ہیں۔

(۵) لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ سب کے سب مرتد نہ ہو گئے ہوں۔ یعنی انھوں نے خُدا اور اس کے رسول سے کُفر نہ کیا تھا۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جو اپنے اسلام پر قائم تھے لیکن انھوں نے کسی سبب سے وحدتِ ابوبکرؓ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ اس میں نہ تو کوئی حرج انھیں نظر آتا تھا اور نہ اس سے ان کے دین میں کوئی نقص واقع ہوتا تھا۔ اس لئے لامحالہ وہ سب کے سب مُرتد نہ تھے اور نہ ان کے خلاف جنگ دین کے نام پر تھی۔ اگر اُن سے جنگ کئے بغیر چارہ نہ تھا تو اس کا سبب محض سیاست تھا اور اتحادِ عرب کو بچانا تھا اور ان کی سلطنت کی حفاظت کرنا تھا۔

---

[۲]: "مقدمہ" ابنِ خلدون: صفحہ (۱۸۱)۔

ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ان میں سے بعض نے مسلمانوں کی بیعت ہو چکنے کے بعد بھی بیعت ابوبکرؓ سے انکار کیا تھا، مثلاً علیؓ بن ابی طالب اور سعدؓ بن عبادۃ۔ لیکن ان سے نہ تو مرتدین کا سا سلوک کیا گیا اور نہ ان کے بارے میں کسی نے یہ لفظ تک کہا۔

(۶) ان میں سے بعض نے جن سے حضرت ابوبکرؓ نے جنگ کی تھی صرف زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ اس سے شاید ان کا مطلب تارکِ دین ہونا یا کفر اختیار کرنا نہ تھا بلکہ ان کا مقصد صرف حضرت ابوبکرؓ کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار تھا۔ جیسے کہ مسلمانوں میں سے کئی جلیل صحابہؓ نے کیا تھا۔ اس لئے جب وہ حضرت ابوبکرؓ کا اعتراف نہ کرتے تھے اور نہ ان کے اقتدار و حکومت کو تسلیم کرتے تھے تو ان کا زکوٰۃ ادا نہ کرنا باعثِ تعجب نہیں۔

جب کبھی بھی ہم تاریخ کی ان روایات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کے بارے میں دیکھتے ہیں جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے بغاوت کی، جنہیں مرتدین کا لقب دیا گیا اور جن کے خلاف جنگوں کو "حروب ردّۃ" کہا گیا تو ہم تاریخ کی گمراہی، تاریکی اور ظلم سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں، لیکن حقیقت کے نور کی ایک چنگاری تاریخ کی اس ظلمت میں ہمیشہ پیدا ہوتی رہی ہے اور عنقریب علماء اس کی طرف ایک نہ ایک دن متوجہ ہو کر رہیں گے اور ممکن ہے وہ اسی آگ کی روشنی سے ہدایت حاصل کر لیں۔

خالدؓ بن ولید اور مالک بن نویرہ کی باہمی گفتگو پر آپ غور کریں، مالک ان لوگوں میں سے ہے جنھیں "مرتدین" کا لقب دیا گیا تھا، اور یہ وہی ہے جس کے قتل کا خالدؓ نے حکم دیا تھا، اس کے بعد اس کے سر کو ہنڈیا رکھنے کے لئے چولھے کا پتھر بنایا گیا [۳] مالک مسلسل واضح اور صریح طور پر اس کا اعلان کرتا رہا کہ وہ اسلام پر قائم ہے لیکن وہ خالد

---

[۳]: جب آگ جلائی جاتی ہے تو اس پر ہنڈیا دو مقابل پتھروں پر رکھی جاتی ہے، اور ایک پتھر پیچھے ہوتا ہے۔ اگر تیسرا پتھر نہ ملے تو ہنڈیا کو پہاڑ کے ساتھ ٹیک دے دیتے تھے۔

Marfat.com

کے آقا یعنی ابوبکرؓ) کو زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا۔

اس لحاظ سے یہ بالکل غیر دینی تنازعہ تھا۔ یہ تنازعہ اُس مالک کے جو مسلمان اور اپنے دین پر قائم تو تھا لیکن بنو تمیم میں سے تھا، اور ابوبکرؓ القرشی کے درمیان تھا جو ایک ایسی سلطنت کے بانی تھے جس کے سردار قریش میں سے تھے۔ یہ نزاع قواعد دین یا اصولِ ایمان کے بارے میں نہ تھا بلکہ ملوکیت اور حکومت کے بارے میں تھا۔

خود مالک ہی نے اپنے اسلام کی شہادت نہیں دی بلکہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی اس کی گواہی دی جب اُنھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا تھا: "خالد نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے اس لئے اسے قتل کر دیجئے"۔ بلکہ خود حضرت ابوبکرؓ بھی اس کے اسلام پر گواہ تھے جب انھوں نے حضرت عمرؓ کو جواب دیا تھا: "میں اسے قتل نہیں کر سکتا اس نے غلط مفہوم لیا اور اس سے غلطی ہو گئی۔" [۴]

ایک اور مثال لیجئے، ان میں سے ایک شاعر [۵] کہتا ہے:۔

أَطَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كَانَ بَيْنَنَا ۔۔۔ فَيَا لَعِبَادُ اللّٰهِ مَا لِأَبِي بَكْرِ

[جب تک رسولؐ ہم میں رہے ہم ان کی اطاعت کرتے رہے۔ اے خدا کے بندو! ابوبکرؓ کو ہمارے معاملات سے کیا کام؟]

أَيُوْرِثُنَا بَكْرًا إِذَا مَاتَ بَعْدَهُ ۔۔۔ وَتِلْكَ لَعَمْرُ اللّٰهِ قَاصِمَةُ الظَّهْرِ

[کیا ابوبکرؓ بھی اپنے مرنے کے بعد ہمیں بکر (نوجوان اُونٹ: مراد حضرت ابوبکرؓ کی اولاد) کے حوالے کر جائے گا؟ اور یہ خدا کی قسم کمر توڑنے والی بات ہے یعنی زیادتی ہے]

ان اشعار میں صرف ایک ایسا انسان نظر آتا ہے جو ابوبکرؓ پر ناراض ہے۔ ان کی حکومت سے منکر ہے۔ ان کی اطاعت کو تسلیم نہیں کرتا اور ان کی بیعت کا تارک ہے۔ لیکن اس

---

[۴]: دیکھئے "تاریخ ابوالفداء" جزو اوّل، صفحہ (۱۵۷، ۱۵۸)

[۵]: خلیل بن اُوس (حصین بن اوس کا بھائی) ـــ تاریخ طبری، جلد (۳)، صفحہ (۲۲۳)

Marfat.com

وقت ساتھ ہی اس کا دل آنحضرتؐ پر ایمان لا رہا ہے اور وہ اسلام میں سے کسی بات کو چھوڑ نہیں رہا۔

پھر اس کے بعد کیا ہم نے تاریخ میں یہ نہیں دیکھا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مرتدین کے قتل سے منع کیا تھا؟ اور کہا تھا: "آپ کیوں ان لوگوں سے جنگ کرتے ہیں؟ حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے: مجھے حکم ہے کہ لوگوں سے صرف اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ لا اِلٰہ اِلّا اللہ نہ کہیں جس نے یہ کہہ دیا اس کا مال اور اس کی جان سوائے خدا کے حق و حساب کے مجھ سے محفوظ ہے۔" [٦]

یہ وہ قلیل ترین روایات ہیں جو پوری صداقت سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جن کے آثار تاریخ مٹانے پر تلی ہوئی تھی اور جن کے حالات مٹ جانے والے تھے، —— اور تلاش کیجئے بہت کچھ مل جائے گا۔

(۷) ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ وہ جنگ جسے ابوبکرؓ کی خلافت کے اوّلین دور میں "حربِ مرتدین" کہا جاتا تھا۔ ہرگز دینی جنگ نہ تھی بلکہ محض سیاسی جنگ تھی۔ عوام یہ سمجھتے تھے کہ وہ دین کے لئے تھی لیکن وہ سب کی سب دین کے لئے نہ تھی۔

یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم اس جگہ آپ کو وہ حقیقی اسباب بتائیں جو فی الواقع "حربِ ردّہ" کو مشتعل کرنے والے تھے۔ نہ ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ اب جب کہ یہ بحث ہمارے درپیش ہے، ہم اس سے پوری طرح واقف ہونے کا دعویٰ کریں۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اگر آپ ان قبائل کے انساب کا اچھی طرح مطالعہ کریں جنھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ان کا قریش سے (جو اس وقت کے شاہی گھرانے کا جدِّ امجد تھا) تعلق معلوم کر لیں، اور اگر آپ نو خیز قوموں میں خدا کی سُنّت کو سمجھ جائیں اور حکومت کی خاطر نئی طبقاتی

---

[٦]: البخاری — جلد (۲)، صفحہ (۱۰۵)

Marfat.com

وفاداریوں کو دیکھ لیں ——— اور اس کے ساتھ ساتھ آپ طبائع و آداب عرب سے اچھی طرح واقف ہوں ——— تو آپ کو بعض اہم بنیادی اسباب نظر آجائیں گے اور ممکن ہے آپ کامیاب ہو جائیں۔

(۸) ہم اس اعتقاد کو مانتے لیتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آنحضرتؐ کے بعد بالفعل ارتداد کی مرتکب ہوئی تھی، یہ بات ——— جیساکہ ہم قانونِ فطرت کو جانتے ہیں ——— بالکل فطری تھی اور ان کے نظام کے مطابق تھی۔ اس سے بھی سہل یہ اعتقاد ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی میں اور آپؐ کی وفات کے بعد کچھ جھوٹے نبیوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ نبوت کا دعویٰ ایک گمراہ اور غیر ہدایت یافتہ ذہن سے بعید نہیں ہے خصوصاً جب عوام اس کی طرف کشش محسوس کریں اور اگر ان سے بھی زیادہ گمراہ ساتھی اُسے مل جائیں، عام لوگوں کے لئے ایسے گمراہ اور غلط کار شخص کی نبوت پر ایمان لانے سے زیادہ آسان اور کوئی بات نہیں جب کہ اس شخص کو یہ گر معلوم ہو کہ انھیں گمراہی کے راستے پر کیسے چلانا چاہیئے اور انھیں غلط کاری کی روش پر کیسے لے جانا چاہیئے۔ اسی لئے ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد کے شروع میں ایسے لوگ تھے جو آنحضرتؐ کی وفات کے سبب بالفعل اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، جس طرح کہ قبائل عرب میں ایسے اشخاص بھی ملتے ہیں جنھوں نے نبوت کا جھوٹا دعوےٰ کیا تھا۔

اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ وہ ان جھوٹے نبیوں اور حقیقی مرتدین کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ ان پر غالب آگئے اور ان کے باطل کو ملیامیٹ کر دیا۔

ہم اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ آیا یہ محض دینی سبب تھا جس نے حضرت ابوبکرؓ کو مرتدینِ اسلام کے بارے میں جواب دہ بنایا تھا یا کوئی اور غیر دینی اسباب تھے جنھوں

Marfat.com

نے حضرت ابوبکرؓ کو اس ارادے پر اشتعال دلایا تھا۔

کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا اپنی نئی سلطنت میں سب سے پہلا کام انہیں مرتدین سے جنگ تھا اور یہیں سے "مرتدّین" کا لقب شروع ہوا ہے یعنی حقیقی مرتدین کے لئے یہ صحیح لقب اسی وقت سے شروع ہوا، لیکن اس کے بعد عرب میں یہ لقب ہر اس شخص کے لئے استعمال ہونے لگا جس سے حضرت ابوبکرؓ نے جنگ کی۔ خواہ وہ دین میں اختلاف رکھتے تھے اور حقیقی مرتد تھے۔ خواہ وہ بغیر مرتدّ ہوئے صرف سیاسی اختلاف رکھتے تھے۔ اسی لئے حضرت ابوبکرؓ کی تمام جنگیں دین کے عنوان کے تحت درج ہوگئی ہیں اور اسلام کے نام اور شمار میں داخل ہوگئی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ سے مل جانا اسلام کے پرچم تلے جمع ہونے کے مترادف ہوگیا اور ان کے خلاف بغاوت ارتداد اور فسق شمار ہونے لگی۔

(۹) اس کے علاوہ کچھ اور وجوہات بھی تھیں جنھوں نے اس غلطی میں لوگوں کی مدد کی اور حضرت ابوبکرؓ کی امارت کو دینی معنی پہنانا آسان کر دیا۔

آنحضرتؐ کے نزدیک حضرت صدیقؓ ایک بلند اور ممتاز قدر و منزلت کے مالک تھے، اور دعوتِ دینی میں بھی ان کا گراں قدر حصّہ تھا۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی ان کی خاص منزلت تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کا اقتداء کرتے تھے اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے تھے خصوصاً ذاتی امور میں اور عموماً دوسرے امور میں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ امورِ سلطنت کی سیاست میں بھی ان کا عمل یہی تھا۔ اس لئے وہ اپنی کوشش کے مطابق اسے دینی راستے پر چلاتے رہے اور اس میں حتی المقدور رسول اللہ کی راہ پر گامزن رہے۔ اس لئے کچھ بعید نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اس سلطنت کے معاملات میں (جس کے وہ پہلے امیر تھے) ہر مظہر دین کو بروئے کار لائے ہوں۔

(۱۰) اس سے آپ پر واضح ہوگیا ہوگا کہ یہ لقب (" خلیفہ رسول اللہ") اپنے تمام

متعلقات کے ساتھ، جن میں سے بعض کا ہم نے ذکر کیا ہے اور باقی کو چھوڑ دیا ہے غلطی کے ان چند اسباب میں سے ایک تھا جو عام مسلمانوں میں پھیل گئے تھے اور انھیں خیال پیدا ہوا کہ خلافت مرکزِ دینی ہے اور جو شخص مسلمانوں کے امور کا والی ہوگا اُس نے گویا (عام مسلمانوں کے نزدیک) اسی مقام کو حاصل کر لیا جو آنحضرتؐ کو حاصل تھا۔

اس طرح صدرِ اوّل ہی سے مسلمانوں میں یہ خیال رائج ہو گیا تھا کہ خلافت مقامِ دینی ہے اور صاحب شریعت کی نیابت ہے۔

(۱۱) سلاطین کی مصلحت اسی میں تھی کہ یہ غلط خیال لوگوں میں راسخ ہو جائے تاکہ وہ دین کو ایسی زرہ بنا لیں جو ان کے تخت کی حفاظت کر سکے اور انھیں باغیوں سے بچا سکے وہ مختلف حیلوں سے اس پر عمل پیرا رہے ——— اور وہ کتنے متعدد حیلے تھے۔ اگر محققین اس کی طرف توجہ کریں ——— یہاں تک کہ اُنھوں نے لوگوں کی عقل میں یہ بات ڈال دی کہ آئمہ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اس کے بعد خلفاء نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا اور اُنھیں وہ لقب مطمئن نہ کر سکا جو حضرت ابوبکرؓ نے انتخاب کیا تھا۔ انھوں نے اُسے مسترد نہ کیا جس پر حضرت ابوبکرؓ نے ناراضگی ظاہر کی تھی (یعنی "خلیفۃ اللہ") اور اُنھوں نے سلطان کو زمین پر خدا کا خلیفہ اور اُس کے بندوں پر اس کا ظلِّ ممدود بنا کر رکھ دیا ——— سُبْحَانَ اللّٰہِ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔

اور دیکھئے! خلافت مباحثِ دینی سے منسلک ہو کر رہ گئی ہے اور عقائد توحید کا ایک جزو بن گئی ہے جس کا مطالعہ مسلمان خدا کی صفات اور انبیائے کرام کی صفات کے ساتھ ساتھ کرتا ہے اور وہ اس کی تلقین ویسے ہی کرتا ہے جس طرح کہ کلمۂ شہادت کی کہ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔

یہ ہے ملوک کا مسلمانوں پر ظلم و استبداد! اُنھوں نے ان کو ہدایت سے گمراہ کیا

Marfat.com

اور حقیقت کے چہرے کو تاریک کر دیا۔ دین کے نام پر ان سے روشنی کے سرچشمے مخفی کر دیئے اور دین ہی کے نام پر اُن پر ظلم و جور کیا اور انھیں ذلیل کیا۔ انھیں علومِ سیاست کے مطالعے سے محروم کر دیا اور دین ہی کے نام پر وہ انھیں دھوکا دیتے رہے اور انھوں نے ان کی عقلوں کو محدود کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان مسائل تدبّر اور خالص سیاست تک میں بھی اس دین کے علاوہ کوئی رائے قابلِ غور نہیں سمجھتے۔

اس کے علاوہ ملوک نے ان پر فہمِ دین محدود کر دی اور انھیں ایک تنگ دائرے میں جو خود ملوک ہی نے ان کے لئے مقرر کیا ہے محبوس کر دیا اور اس کے بعد ان پر علم کا ہر دہ دروازہ مقفّل کر دیا جو خلافت کے قصر میں کھلتا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی قوتِ بحث اور نشاطِ فکر مرگئی اور سیاسی مسائل پر غور و فکر اور خلافت اور خلیفہ کے حالات کا تدبّر ان میں بالکل ختم ہو گیا۔

(۱۲) حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام اس خلافت سے جس سے مسلمان متعارف ہیں اور اس تمام لالچ اور خوف، عزّت و طاقت کے جال سے جو انھوں نے اس خلافت کے اردگرد بُن رکھا ہے، بالکل ناواقف ہے، یہ خلافت ہرگز دینی امور میں سے نہیں اور نہ اس کے اصول و قوانین، اور اصولِ حکومت اور مسائلِ سلطنت دین کا جزو ہیں۔ یہ تو محض سیاسی امور ہیں اور دین کا ان سے کوئی تعلّق نہیں۔ نہ تو دین انھیں قبول کرتا ہے اور نہ رد کرتا ہے۔ نہ ان کے بارے میں کوئی حکم دیتا ہے اور نہ ان سے منع کرتا ہے۔ ان کا انتظام اُس نے ہم پر چھوڑ دیا ہے تاکہ ہم انھیں احکامِ عقل، تجاربِ امم اور قواعدِ سیاست کے مطابق چلائیں۔

اسی طرح اسلامی عسکری نظام، شہروں اور سرحدوں کی حفاظت اور آبادکاری اور مختلف شعبوں کے نظام میں بھی دین کا کوئی ہاتھ نہیں۔ یہ سب عقل اور تجربے پر مبنی ہے یا قواعدِ حرب اور انجینئروں اور ماہرین کی رائے پر منحصر ہے۔

دین میں کوئی حکم ایسا موجود نہیں ہے جو مسلمانوں کو علومِ معاشرت و سیاست وغیرہ میں دُوسری قوموں سے سبقت لے جانے سے منع کرے یا اس بات سے روکے کہ وہ اس پُرانے اور فرسودہ نظام کو جس کے سامنے وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں ختم کر دیں یا انھیں اس بات سے باز رکھے کہ وہ اپنے مُلک کے قواعد اور اپنی حکومت کا نظام انسانی عقل کے نئے نتائج، اور دُوسری قوموں کے اصولِ حکمت میں بہترین اور مضبوط ترین تجربوں پر تعمیر کریں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا
أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ
اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ وَالَاهُ۔

مانٹریال (کینیڈا)
۱۲ / مارچ، سنہ ۱۹۵۳ء

ذخیرۂ محمد اقبال مجددی لاہور

Marfat.com

اِسلام اور اُصولِ حکومت

Marfat.com